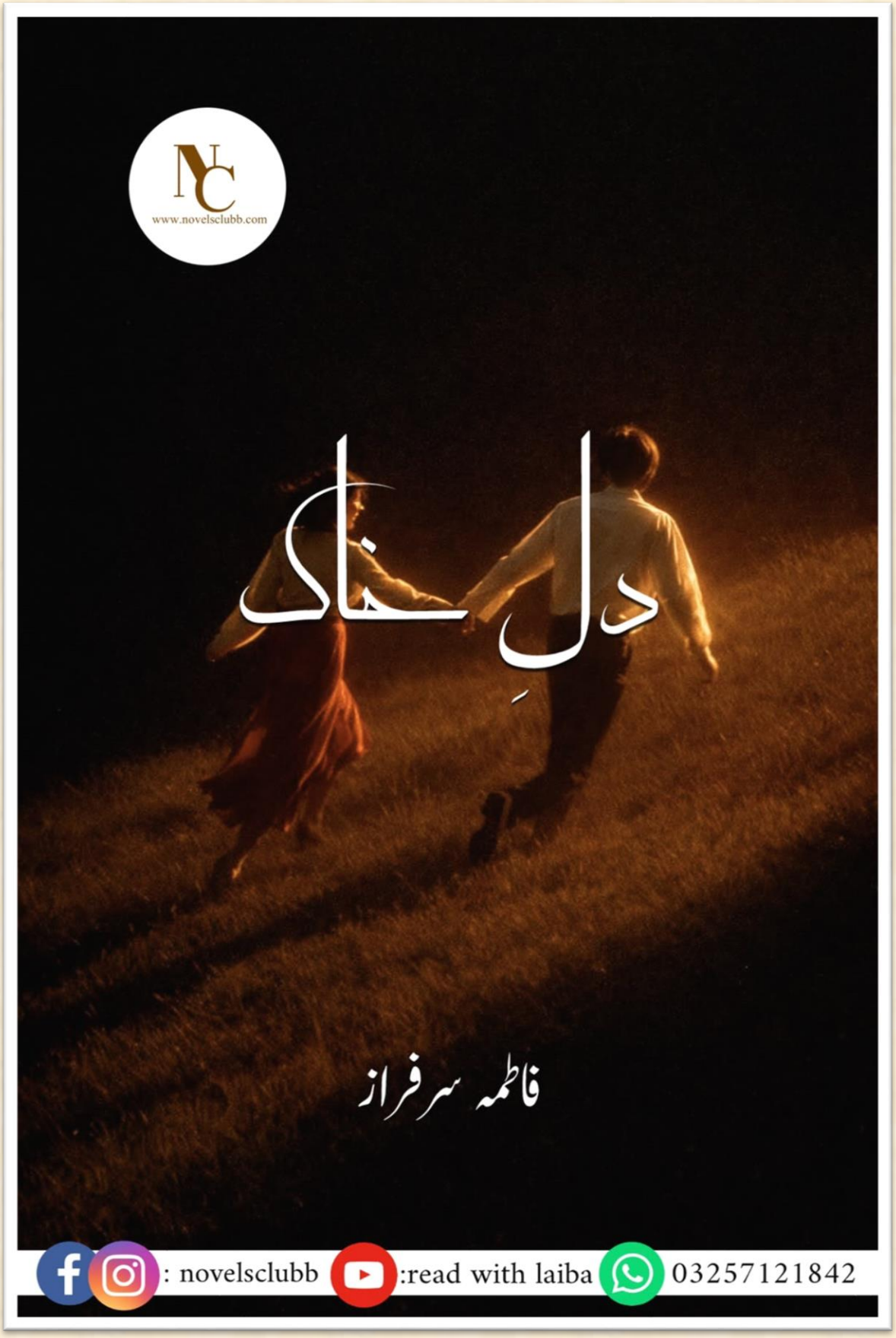
www.novelsclubb.com
دلِ خاک
فاطمہ سرفراز
: novelsclubb
:read with laiba
03257121842

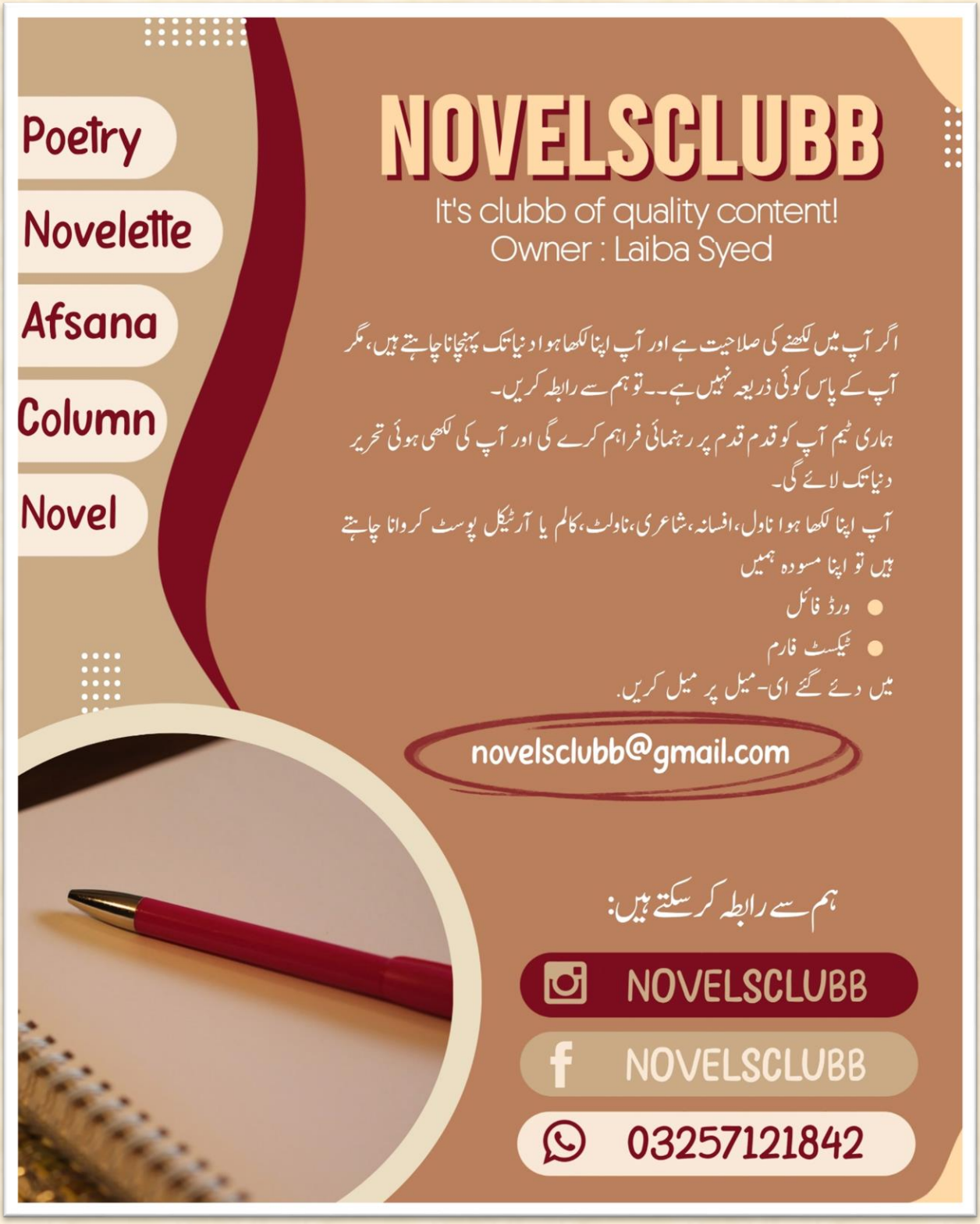
Poetry
Novelette
Afsana
Column
Novel
NOVELSCLUBB
It's clubb of quality content!
Owner : Laiba Syed
اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔
ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔
آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں
ورڈ فائل
ٹیکسٹ فارم
میں دئے گئے ای-میل پر میل کریں.
novelsclubb@gmail.com
ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں:
NOVELSCLUBB
NOVELSCLUBB
03257121842

دلِ خاک

از قلم

فاطمہ سرفراز

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

دلِ خاک

از قلم فاطمہ سرفراز

باب اوّل: ملالِ زیست کا سکوت

زیست نام ہے اس مسلسل چلتے رہنے والے سفر کا جو انسان کو کبھی خوشیوں کی دھوپ دیتا ہے اور کبھی غم کے سائے۔ اس سفر میں ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب انسان کے دل پر ملال کا ایک ہلکا سا رنگ چڑھ جاتا ہے۔ ملال کوئی چیختا چلاتا غم نہیں ہوتا، نا ہی یہ وہ اداسی ہے جو انسان کو روایتی طور پر کمزور کر دے، بلکہ یہ تو گزرے ہوئے کل کا ایک ایسا افسوس ہے جو دل کے کسی کونے میں چپ چاپ بیٹھ جاتا ہے، اور جب زندگی کا یہ ملال حد سے بڑھ جائے تو دل پر ایک سکوت سا طاری ہو جاتا ہے۔

زندگی ہمیشہ کسی بڑے طوفان یا شور و غل سے نہیں بدلتی، کبھی کبھی یہ ایک گہرے ٹھہراؤ کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ ایک ایسی کیفیت جہاں دل میں کوئی شدید تکلیف یا غصہ نہیں ہوتا، بلکہ گزری ہوئی باتوں کا ایک ہلکا سا پچھتاوا اور گہری بے سکون سی اداسی ڈیرہ جما لیتی ہے۔ جہاں انسان اپنے ہی حالات سے سمجھوتا کر کے مٹی کی طرح ساکت ہو جاتا ہے۔ یہ اداسی انسان کو توڑتی نہیں

بلکہ اسے دنیا کے ہنگاموں سے دور بیٹھ کر اپنے اندر جھانکنے کا موقع دیتی ہے۔ جہاں انسان اکیلا ہوتا ہے مگر اس اکیلے پن میں کوئی خوف نہیں ہوتا، بس اپنی ہی زندگی کی ادھوری سچائیوں کا ایک ٹھہراؤ ہوتا ہے۔ ویسا ہی ایک ٹھہراؤ اس وقت اس کی ذات میں محسوس ہوتا تھا۔ وہ ہاسٹل کے لان کی داخلی سیڑھی پر بیٹھی سر ستون کے ساتھ ٹکائے ہوئے تھی۔ نظریں لان میں موجود لمحہ بہ لمحہ بھیگتی گھاس پر جمی تھیں۔ لان کے چاروں کونوں میں کھڑے پولز سے آتی مدھم روشنی اس کے آدھے وجود کو روشن کیے ہوئے تھی۔ چہرہ ایک طرف سے روشن تھا اور دوسری طرف سے تاریک، اسی لیے اس کی صرف ایک آنکھ واضح ہو رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کا رنگ غالباً بھورا تھا، جن میں اکتاہٹ تھی۔ ایسی اکتاہٹ جو ساری دنیا سے ہو، پھر چاہے وہ دنیا اس کے اندر کی ہو یا باہر کی۔ ہوا کی خنکی اس کے وجود سے ٹکرا رہی تھی مگر وہ اتنی زیادہ نہیں تھی کہ وہ ٹھٹھر جاتی۔ اس کے سیدھے شہد رنگ بال شانوں پر لاپروائی سے بکھرے تھے اور ہلکی ہوا کی وجہ سے ہلکے ہلکے سے اڑ رہے تھے۔ رات کی اس گہری خاموشی کو کسی کے قدموں کی چاپ نے توڑا تھا۔ زرناب نے سر اٹھایا اور گردن موڑ کر پیچھے دیکھنے لگی، جہاں سے آواز آ رہی تھی۔ اسے تھوڑے فاصلے سے وہ آتی ہوئی دکھائی دی۔ وہ جو سیاہ شرٹ میں ملبوس تھی۔ جس کے باب کٹ بال گردن کو چھو رہے تھے۔ جس کے سرخ و سفید چہرے پر ایک تجسس بھری مسکراہٹ تھی

اور بائیں گال میں پڑتا گڑھا کافی حد تک واضح ہو رہا تھا۔ زرناب نے دوبارہ گردن جھکالی۔ چند لمحے سر کے اور اسے اپنے پاس دھڑام سے کوئی بیٹھتا محسوس ہوا۔

"تم کب تک یہاں بیٹھی رہو گی آج؟ شاید کوئی چلہ وغیرہ کاٹنے کا ارادہ رکھتی ہو؟" وہ یکدم امڈ آتی جمائی کو بمشکل روکتے ہوئے بولی تھی۔ زرناب نے ایک گہری سانس بھری۔

"بس یونہی دل نہیں چاہ رہا تھا اندر آنے کا۔ تم کیوں آ گئیں؟" اب کہ وہ اس پر نظریں جما چکی تھی۔

"میں تو سو گئی تھی۔ اچانک آنکھ کھل گئی تو تم دکھی ہی نہیں، آجاؤ اندر چلتے ہیں۔" برستی بارش کی آواز اس وقت ان دونوں میں سے ایک کو بھلی نہیں لگ رہی تھی۔ زرناب جو کہ لان کی بھیگتی گھاس کو دیکھے جا رہی تھی، وہیں چھوٹے بالوں والی رھف اس سے نظریں چرا رہی تھی۔

"تم چلو، میں کچھ دیر میں آجاؤں گی۔" وہ کہیں نا کہیں جانتی تھی کہ رھف کو بارش پسند نہیں تھی اسی لیے سہولت سے بولی۔ رھف اٹھ کر جانے کے بجائے وہیں بیٹھی رہی تھی۔ اس نے اب اپنا فون نکال کر سکرین روشن کی اور پھر اس میں مصروف ہو گئی۔ اس کو زرناب کو یوں اکیلے چھوڑ کر جانا اچھا نہیں لگ رہا تھا اور بارش سے اس کو ذاتی طور پر چڑ تھی، تو اس نے فون میں مصروف ہونے کی کوشش کی مگر یکدم جیسے اسے کچھ یاد آیا تھا۔

"اچھا سنو، وہ جو یونیورسٹی میں نئی لڑکی آئی ہے، تم اسے پہلے سے جانتی ہو؟" وہ پوچھ رہی تھی یا بتا رہی تھی یہ نا اسے خود سمجھ آئی نا زرناب کو۔ زرناب نے رخ موڑ کر اسے دیکھا۔ رھف جس جگہ پر بیٹھی تھی وہاں روشنی کو پوری طرح رسائی حاصل تھی۔ روشنی اس کے وجود پر پڑتی اسے روشن کر رہی تھی، جبکہ زرناب کا آدھا وجود اب بھی تاریکی میں تھا۔ زرناب نے جواب نہیں دیا تھا اور اس کی خاموشی اس بات کی تصدیق کر رہی تھی۔

"تمہیں پتا ہے وہ تمہارے بارے میں کیا کیا کہتی ہے؟ ہر وقت وہ ایک ہی بات کا رونا روتی ہے کہ اس کے ساتھ تم نے غلط کیا ہے۔ شاید کوئی سوکالڈ رازوں کا زکر کرتی ہے وہ۔" رھف ٹانگیں سینے کے ساتھ لگاتی ان کے گرد بازو لپیٹ چکی تھی۔ دبلی پتلی سی رھف سمٹ کر رہ گئی تھی۔ اس کے انداز سے لگتا تھا کہ وہ اس معاملے میں حد سے زیادہ دلچسپی لے رہی تھی۔ وہ زرناب کی کوئی بہت خاص دوست یا بیسٹ فرینڈ نہیں تھی، بس وہ دونوں ایک کمرے میں رہ رہی تھیں اور اس کے علاوہ ان کا اپارٹمنٹ بھی ایک ہی تھا۔

"کہنے دو جو کہتی ہے۔ وہ شاید بھول رہی ہے کہ وہ کس کا نام لے رہی ہے۔ مین زرناب کمال ہوں اور زرناب کمال ناپیٹھ پیچھے وار کرتی ہے اور نا ہی کسی کے ایسے فضول قسم کے الزامات پر صفائیاں دیتی پھرتی ہے۔ میں بھی دیکھ لوں گی کہ کتنا دم ہے اس میں؟" وہ طیش میں نہیں آئی

تھی بس عام سے انداز میں بول رہی تھی، جیسے بس جواب دینا چاہ رہی ہو، جیسے بس جواب دینے کی کوشش کر رہی ہو۔

"مگر پھر بھی، وہ ہے کون؟ چاہتی کیا ہے؟ ایسا کیوں کر رہی ہے؟"

"ہاں میں اسے اپنے ماضی سے جانتی ہوں۔ وہ ایک وقت میں تھی میری دوست، مگر پھر کچھ مس انڈر سٹینڈنگز کی وجہ سے ہم نے بات کرنا چھوڑ دیا۔" وہ سر سے اتارنے والے انداز میں بولی تھی۔ اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی اس سب سے کہ کوئی اس کے بارے میں کیا کہتا ہے، کیا سوچتا ہے؟

"کیا یہ سچ میں غلط فہمی تھی یا وہ سچ کہہ رہی ہے؟"

زرناب نے ایک ابرو اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ جیسے کہہ رہی ہو کہ سیریسلی؟ رھف نے دونوں ہاتھ اٹھا لیے اور معذرت خواہانہ انداز میں کندھے اچکا گئی۔

"میں بس مزاق کر رہی تھی مگر تمہاری ریپوٹیشن تو خراب ہو رہی ہے، میرے دماغ میں ایک پل کو تو یہ خیال آیا ہی تھا کہ شاید وہ سچ بول رہی ہو، باقی لوگوں کے دماغ میں بھی آیا ہو گا۔ تم کچھ تو کہو، کوئی صفائی تو دو۔"

"میں اپنی ذات کے فیصلے دوسروں کے مشوروں کے ترازو میں تول کر نہیں کرتی رھف! اگر

میری خاموشی اشمل کو کمزوری لگ رہی ہے تو یہ اس کی نظر کا دھوکہ ہے، میرا مسئلہ نہیں۔"اس نے اپنی گردن کسی ملکہ کی سی شان سے کڑائی تھی، وہ ملکہ جس کا کوئی بال بھی بیکا نہیں کر سکتا تھا۔اس کو اگر لوگ عام لڑکی سمجھتے تھے تو غلط کرتے تھے۔وہ حالات کے بدلتے موسموں سے پگھلنے والی نہیں تھی، وہ ایک ایسی ملکہ تھی جو حالات کے مقتل میں سر کٹوانا تو جانتی تھی مگر اپنی انا کا تاج کسی کی ضد یا بدلے کے آگے جھکانا اس کے خون کے ضابطوں میں شامل نہیں تھا۔

"میں صفائی نہیں دوں گی مگر اتنا کہہ رہی ہوں کہ وہ چیزوں کو غلط طریقے سے بیان کر رہی ہے۔ اس کے علاوہ کیا ہوا تھا؟ کیوں ہوا تھا؟ یہ تم مجھ سے نہیں اگلوا سکتی اسی لیے جاؤ اب یہاں سے۔" وہ بنا کسی لگی پٹی کے بولی تھی۔رھف کو آتے دیکھ اور اس کی مسکراہٹ سے اسے کچھ کچھ اندازہ ہو گیا تھا کہ ضرور وہ عادت سے مجبور ہو کر کچھ جاننے کی کوشش کرے گی اور پھر رھف نے اس کے اندازے کو یقین میں بدل دیا۔رھف کے چہرے پر کوئی شرمندگی نہیں آئی نا ہی وہ گڑبڑائی تھی۔الٹا ڈھٹائی سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھتی رہی۔

"تمہاری یہ جاسوسی والی عادت کب جائے گی رھف؟"

رھف نے کندھے اچکائے اور داخلی سیڑھی ہر مزید جم کر بیٹھ گئی۔

"جاسوسی نہیں ہے یہ، میں تو بس تمہاری خیر خبر رکھ رہی ہوں۔اب پورے ماس کمیونیکیشنز

ڈیپارٹمنٹ میں تمہارا نام اچھل رہا ہو، تو ایک سچی دوست ہونے کے ناطے میرا فرض بنتا ہے کہ میں آکر سچ معلوم کروں۔" اس نے ایک ادا سے کہا تھا۔ گردن کو چھوتے چھوٹے بال لہرا کر رہ گئے۔ اس نے فون کی سکرین ایک بار پھر روشن کی اور زرناب کے سامنے کر کے اسے دکھانے لگی، جہاں گرلز گروپ کے میسجز دکھائی دے رہے تھے۔ زرناب خاموشی سے سکرین کو دیکھے گئی۔

"ویسے ایسا بھی کیا ہوا تھا کہ وہ اب تک تمہارے بارے میں زہر اگل رہی ہے؟" اس کی متجسس روح ایک بار پھر پھڑ پھڑائی۔

"کچھ لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنی نادانیوں اور حماقتوں کا بوجھ خود اٹھانے کے بجائے دوسروں کے سر تھوپ دیتے ہیں۔ اس کی اوقات بس اتنی سی ہے کہ وہ اپنی غلطیوں کا ملبہ مجھ پر ڈال کر خود کو معصوم ثابت کر سکے۔" اس کا لہجہ زہر میں بجھا ہوا تھا۔ رھف نے ابرو اچکا کر اسے داد دی تھی۔

"اور جہاں تک تمہاری اس تجسس کی بیماری کا تعلق ہے نا، تو میری ایک بات کان کھول کر سن لو۔ زرناب کمال کی زندگی کوئی سستا ڈرامہ یا تفریحی میگزین نہیں ہے، جسے تم ماس کمیونیکیشنز کی اسائنمنٹ کی طرح کریدتی رہو۔ اب جا کر اپنی ادھوری اسائنمنٹ پوری کرو ورنہ کل تمہارا نام

پورے ڈیپارٹمنٹ میں اچھل رہا ہو گا۔" رھف کے چہرے سے ڈھٹائی بھری مسکراہٹ غائب نہیں ہوئی تھی۔ زرناب کا یہ کڑوا، زہر بھرا ردِ عمل اس کی توقع کے عین مطابق تھا۔ زرناب کی نظریں اب ہاسٹل کے لان سے ہٹ کر ماضی کے اس منظر پر جم گئی تھیں۔ سب کچھ اس کے ذہن میں گھومنے لگا تھا۔ وہ منظر جب یہ سب شروع ہوا تھا، کالج کی وہ چہل پہل، ان کی دوستی اور اشمل کے موبائل پر آنے والا وہ پہلا نامعلوم میسج۔

☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆

ہاسٹل کے اس پر سکون اور اداس لان سے میلوں دور، شہر کے ایک پوش کاروباری علاقے میں ایک بلند و بالا عمارت کا ماحول بالکل مختلف تھا۔ یہ صرف ایک کاروباری دفتر نہیں تھا، بلکہ جدید کارپوریٹ فنِ تعمیر کا ایک ایسا شاہکار تھا، جو دیکھنے والے پر اپنی امارت اور طاقت کا رعب طاری کر دیتا تھا۔ پندرہ منزلہ یہ بلند و بالا عمارت مکمل طور پر گہرے سرمئی سٹیل کے ڈھانچے اور سیاہ شیشے کے پینلز سے تیار کی گئی تھی، جس کی وجہ سے رات کے اس پہر بھی وہ فلڈ لائٹس کی تیز روشنی میں کسی ہیرے کی مانند چمک رہی تھی۔

بلڈنگ کے مرکزی دروازے سے داخل ہوتے ہی ایک وسیع اور پر تعش ایٹریم استقبال کرتا تھا، جہاں اونچی چھت سے لٹکے ہوئے کرسٹل کے فانوس سنگِ مرمر کے چمکدار فرش پر اپنا نور بکھیر

رہے تھے۔ عمارت کے اندر کا درجہ حرارت ہمیشہ ایک مخصوص سردی پر برقرار رکھا جاتا تھا، جہاں صرف جوتوں کی ٹک ٹک اور سینٹرل ائیر کنڈیزنر کی سائیں سائیں گونجتی تھی۔ ہر فلور پر بنے ہوئے کیبنز کے شیشے اتنے ساؤنڈ پروف تھے کہ ایک کمرے کی سرگوشی بھی دوسرے کمرے میں نہیں جاتی تھی۔ یہاں کام کرنے والے ملازمین کے لیے سخت اصول لاگو تھے اور پوری بلڈنگ کا ماحول بالکل نپا تلا، مشینی اور انتہائی پروفیشنل تھا۔

عمارت کے سب سے اوپری فلور پر موجود پر تعیش اور وسیع 'چیف ایگزیکٹو آفس' کے شیشے کے دروازے کے باہر خوف اور تناؤ پھیلا ہوا تھا۔ آئمہ جو کہ فائل سینے سے لگائے کھڑی تھی، ایک نظر ارحم پر ڈالی۔ اس ایک نظر میں بہت کچھ تھا، گہرے چیلنج کے ساتھ تھوڑی سی پریشانی بھی تھی۔ ارحم کے ماتھے پر ننھی ننھی پسینے کی بوندیں جمع ہو چکی تھیں۔ ارحم اس جگہ پر کئی سالوں سے ملازمت کر رہا تھا مگر اس وقت اس کے تاثرات دیکھ کر لگتا تھا جیسے وہ کسی جلاد کے سامنے جانے لگا ہو۔ آئمہ نے اسے نظروں کے اشارے سے اندر جانے کا اشارہ کیا تو ارحم نے آفس کا دروازہ بجایا۔ اندر سے کوئی آواز نہیں آئی مگر وہ دونوں جانتے تھے کہ یہ خاموشی اندر آنے کا اشارہ تھا۔ اس نے مٹھی بند کر کے کھولی اور دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوا۔ آئمہ بھی اس کے پیچھے ہی داخل ہوئی تھی۔ اندر کا درجہ حرارت باہر سے کہیں زیادہ سرد تھا۔ دیوار گیر کھڑکی کے سامنے،

شہر کے رات کے منظر کی طرف پشت کیے، چمڑے کی سیاہ گھومنے والی کرسی پر وہ بیٹھا تھا، لوگ اسے **یحییٰ حسیب** کے نام سے جانتے تھے۔اس نے سیاہ رنگ کا تھری پیس سوٹ پہن رکھا تھا اور بال سلیقے سے جمائے ہوئے تھے۔اس کا بیٹھنے کا انداز ہی یہ بتانے کے لیے کافی تھا کہ وہ یہاں کا بے تاج بادشاہ ہے۔اس نے جھکا سر اٹھا کر ان دونوں پر ایک ایک نظر ڈالی۔اس کی سیاہ آنکھوں میں بلا کا ٹھہراؤ تھا۔رنگت صاف تھی اور سیاہ بال اچھے سے سیٹ کر رکھے تھے۔اسے پہلی بار دیکھنے والا کوئی بھی شخص ایک لمحے کے لیے رک جاتا تھا۔اس کا چہرہ دیکھنے میں سخت نہیں تھا، بلکہ ایک جاذبِ نظر اور پر سکون شاہکار کی مانند تھا، جس پر ایک فطری شرافت اور وقار جھلکتا تھا۔اصل سحر اس کے چہرے کی خوبصورتی میں نہیں بلکہ اس کی شخصیت اور اس کے گرد پھیلے اس خاص رعب میں تھا۔اس کا مضبوط قد کاٹھ اور اندر تک گھس جانے والی نظریں ہی سامنے والے کو مرعوب کرنے کے لیے کافی تھیں۔اس کی شخصیت میں ایک ایسی مقناطیسی کشش کی کہ وہ بنا کچھ کہے یا غصہ دکھائے صرف اپنی موجودگی سے پورے کمرے کی فضاء کو اپنے تابع کر لیتا تھا۔دیکھنے والے کو اس سے خوف محسوس نہیں ہوتا تھا، بلکہ اس کا شاہانہ انداز اور وقار ہی سامنے والے پر ایک ایسا رعب طاری کر دیتا تھا کہ اس کے سامنے اونچی آواز استعمال کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔وہ ایک ایسا پر سکون طوفان تھا جس کی خوبصورتی مسحور تو کرتی تھی مگر اس

کا رعب سامنے والے کو دائرے میں رہنے پر مجبور کر دیتا تھا۔

ارحم ہمت کرتا آگے بڑھا اور آئمہ کے ہاتھ سے فائل لے کر مؤدب سے انداز میں ٹیبل پر رکھی۔

یحییٰ نے فائل اپنے طرف کھسکائی اور کھول کر دیکھنے لگا۔اب کمرے میں مکمل طور پر خاموشی نہیں تھی بلکہ کاغذات کے پلٹنے کی سرسراہٹ وقفے وقفے سے سنائی دیتی۔اس کا خوبصورت چہرہ بالکل پر سکون تھا، مگر جیسے ہی اس کی نظریں صفحہ نمبر چودہ پر موجود 'سپلائی چین کو ٹیشنز' پر پڑیں اس کی لمبی انگلیاں رک گئیں اور آنکھوں میں ایک سرد چمک ابھر آئی۔اس نے فائل کو بند کیا، ٹیبل پر پڑا پین ہولڈر ایک طرف کو کیا اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔اس کی گہری نظریں اب ارحم پر جمی تھیں، جن میں غصے کی کوئی رمق نہیں تھی بلکہ ایک ایسا ٹھراؤ تھا جو کسی بھی طوفان سے زیادہ خطرناک ہو۔وہ کچھ لمحے یونہی اسے دیکھتا رہا۔

"ارحم۔۔۔!" بادشاہ کی بھاری اور سرد آواز ابھری تھی۔ارحم کا سانس خشک ہوا۔

"سٹارلٹ اس نئی ٹیکسٹائل یونٹ کے لیے جس خام مال کا ٹینڈر جاری کر رہی تھی اس کی رازداری کا معاہدہ کس کے پاس تھا؟" وہ اسے جانچتی نظروں سے دیکھتا بولا تھا۔ارحم کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔وہ چند لمحے کچھ بول نہیں پایا تھا۔

"سر۔۔میرے پاس ہی تھا۔" کچھ دیر بعد وہ ہلکی آواز میں بولا تھا۔

"تو پھر اس فائینل رپورٹ میں ہمارے سب سے بڑے حریف 'شاہ انڈسٹریز' کے ریٹس اور ہمارے بجٹس کا موازنہ اس باریک بینی سے کیسے درج ہے؟ جیسے تمہیں پہلے سے معلوم ہو کہ وہ لوگ کتنی بولی لگانے والے ہیں؟" اس کے کہنے پر ارحم نے بمشکل تھوک نگلا تھا۔ یحییٰ نے اپنے دونوں ہاتھ میز پر ٹکائے اور آگے کی طرف جھکتا نرمی سے بولا مگر اس کی نظریں ارحم کے چہرے کو چیرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

"یا میں یہ سمجھوں ارحم کہ شاہ انڈسٹریز کو ہمارے بجٹ کی اندرونی معلومات تم نے خود فراہم کی ہیں تاکہ وہ ہم سے کم ریٹ دے کر یہ کروڑوں کا پراجیکٹ اڑا لے جائیں؟"

ارحم کا رنگ یکدم زرد پڑ گیا۔ یہ کمپنی کے ساتھ سنگین دھوکہ دہی اور دیٹا لیک کا براہِ راست الزام تھا۔ آئمہ جواب تک خاموش کھڑی تھی، ہونقوں کی طرح ان دونوں کے چہرے دیکھنے لگی۔ کہنے والا بھی کیا کہہ گیا تھا اور سننے والے پر کیا گزری تھی؟

"نہیں سر! ایسا نہیں ہے۔" اس نے صفائی دینے کی کوشش کی۔ چھکے تو اس کے چھوٹ ہی گئے تھے۔

"وہ رپورٹ بنانے میں مکس اپ ہو گیا۔ شاہ انڈسٹریز کا ایک بندہ مارکیٹ ریٹس شیئر کرنے آیا تھا، میں نے بس وہ ڈیٹا کراس چیک کرنے کے لیے رکھا تھا۔ مجھ سے کوئی ملی بھگت نہیں ہوئی سر!"

اس نے فوراً بات سنبھالنے کی کوشش کی۔یحییٰ اس کی بات پر گردن ڈھلکائے اسے دیکھنے لگا۔ بے نیاز بادشاہ کا یہ پرسکون انداز سامنے والے کو خاک کرنے کے لیے کافی تھا۔ارحم گڑبڑا کر رہ گیا۔

"سٹار لیٹ کا فنانشل ہیڈ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم کمپنی کے آفیشل لیٹر ہیڈ پر حریف کمپنی کے نمبرز درج کر کے فائل میرے سامنے لا کر رکھ دو۔اس ایک 'مکس اپ' کی وجہ سے ہمارا پورا پراجیکٹ داؤ پر لگ چکا ہے۔تم نے نااہلی نہیں کی ارحم تم نے سودے بازی کی ہے،اور غداروں کی میری چھت کے نیچے کوئی جگہ نہیں ہے۔" وہ اپنے ازلی سرد انداز میں بولا تھا۔ارحم نے خشک ہوتے لبوں پر زبان پھیری۔

"نہیں سر پلیز! میری بات سنیں۔میری بیس سال کی بے داغ سروس ہے اس انڈسٹری میں۔ آپ صرف ایک شک کی بنیاد پر مجھے جاب سے فائر نہیں کر سکتے۔میرا کیریئر تباہ ہو جائے گا۔" ارحم نے خوف اور بے بسی سے تقریباً ہاتھ جوڑ لیے تھے۔اس کے سامنے بیٹھا یہ شخص چلاتا تو وہ سنبھال لیتا، مگر اس کا یہ انداز ارحم کے ہوش اڑا رہا تھا۔یحییٰ کے تاثرات اب بالکل سپاٹ اور لاتعلق ہو چکے تھے۔

"شک؟ میں شک پر فیصلے نہیں کرتا ارحم! میں ثبوت دیکھتا ہوں اور یہ فائل تمہارے جرم کا منہ

بولتا ثبوت ہے۔آئمہ ؟"اس نے ارحم سے کہتے آخر میں اپنی سیکرٹری کو مخاطب کیا۔

"جی۔۔جی سر!"آئمہ نے فوراً جواب دیا مبادہ اس کے قہر کی نظر وہ بھی نا ہو جائے۔

"ارحم کو اکاؤنٹس ڈیپارٹمنٹ لے جاؤ،اس کا فنانشل حساب کتاب کرو،اس پر کمپنی کا آفیشل بلیک لسٹ نوٹس جاری کرو اور سیکیررٹی کو بولو کہ اگلے پانچ منٹ کے اندر اس کا کارڈ بلاک کر کے اسے بلڈنگ سے باہر چھوڑ کر آئیں۔"وہ ارحم پر نظریں جمائے،ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا تھا۔ارحم کا رنگ بالکل سفید پڑ گیا۔یحییٰ نے بغیر کوئی تماشہ کھڑا کیے،انتہائی پر سکون انداز میں اس کا پورا کیریئر مٹی میں ملا دیا تھا۔وہ ایک ایسا شخص تھا جو کسی کا وجود اجاڑ کر اتنے ہی سکون سے سانس لے سکتا تھا جیسے اس نے کوئی پتا توڑا ہو۔

"سر پلیز!میرا خاندان۔۔۔۔"اس کی بے بسی بھری آواز نکلی تھی۔

"تمہارے پانچ منٹ شروع ہو چکے ہیں۔"اس نے تیکھے انداز میں آئمہ کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ بوکھلا گئی۔آئمہ ارحم کو اپنے ساتھ کھینچتی ہوئی لے گئی تھی۔وہ دونوں شیشے کے بھاری دروازے کو پار کر کے باہر نکل گئے تو یحییٰ پیچھے اکیلا رہ گیا۔اس کی آنکھوں میں اب گہری سوچ کی پرچھایاں تھیں جیسے وہ اس کارپوریٹ دھوکے سے آگے،کسی ایسے ہی چہرے کو ڈھونڈ رہا ہو جو مٹی کی چادر اوڑھے خاموش بیٹھا تھا۔

☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆

اگلے چند روز یونیورسٹی کے اسی معمول اور چہل پہل والے ماحول میں گزرے۔ماس کمیونیکیشنز ڈیپارٹمنٹ کا مرکزی آڈیٹوریم آج صبح ہی سے سٹوڈنٹس سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا کیونکہ آج یونیورسٹی کے سب سے بڑے گیسٹ سپیکر کی آمد تھی۔کلاسز کے فوراً بعد ہر کوئی ہال میں جمع ہو چکا تھا۔کافی وسیع ہال تھا اور سٹیج بھی کافی بڑا تھا۔ سٹیج کے سامنے دور تک کرسیاں بچھی تھیں اور سب کی سب کھچا کھچ سٹوڈنٹس سے بھری تھیں۔پروفیسرز اور ہیڈز بھاگ بھاگ کر سب کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہے تھے لہذا جب ہال کی صورتحال تھوڑی ٹھیک ہو گئی تو اساتذہ نے بھی پیچھے جا کر اپنی اپنی کرسیاں سنبھال لیں۔اچانک ہال کے پچھلے دروازے سے کوئی اندر داخل ہوا تو ہال میں ایک بار پھر کھلبلی سی مچ گئی۔ایک انسان انتہائی پرکشش شخصیت کا مالک اپنے کان میں ائیر بڈز فٹ کرتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔اس کی چال میں ایک اعتماد تھا۔اس کے ساتھ دو تین اور لوگ تھے۔ایک کے ہاتھ میں کافی کا گلاس اور لیپ ٹاپ تھا،دوسرا اسکا مائک سیٹ کر رہا تھا اور تیسرا وقفے وقفے سے اس سے بات کرتا اور وہ مسکرا کر جواب دیتا۔اس کے داخل ہوتے ہی ارد گرد کی ہر چمکتی چیز اپنی وقعت کھو چکی تھی۔وہ تھا ہی ایسا شہزادوں سی شخصیت والا۔وہ سٹیج پر پہنچا اور بلکل سامنے کھڑا ہو گیا۔ہال میں یک ٹک سناٹا چھا چکا تھا جسے اسکی آواز نے توڑا۔

"میرا نام ہادی ہے، ہادی یونس!" اسکی آواز ہال میں گونجی تو انسانوں کے ساتھ ہال میں موجود ہوا نے بھی دم سادھ لیا۔

"میں کوئی بہت اہم شخصیت نہیں، بلکہ ایک عام سا انسان ہوں۔ بلکل آپ سب کی طرح۔" وہ بہت نرم خو تھا۔انتہائی دلکش آواز اور اس پر یہ ٹھہرا ہوا لہجہ۔ کون بدنصیب انسان ہو گا جو اسکے ہوتے ہوئے اس کو نا سنے؟ ہے نا زرناب کمال زیدی! جو کہ اسی ہال میں بیٹھی، ہر چیز سے بے نیاز، ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے موبائل میں گھسی تھی جیسے اس موبائل کے علاوہ اس دنیا میں اسے کسی چیز سے کوئی سروکار نہیں۔

"آج میں یہاں آپ سب کے سامنے موجود ہوں تو اسکے پیچھے ایک اہم وجہ ہے" دائیں طرف دیوار گیر کھڑکی کے آگے کیمرہ مین کیمرہ پکڑے اسے ریکارڈ کر رہا تھا۔

"کیا آپ لوگوں نے کبھی سوچا کہ زندگی کیا ہے؟ کہ آپ لوگ جو ہر وقت زندگی زندگی کرتے ہیں، آخر یہ ہے کیا؟ کوئی بتا سکتا ہے؟" اسکے سوال پر ہال میں بڑبڑاہٹیں شروع ہو گئی تھیں۔اسکے سوال پر زرناب نے ایک گہری سانس بھری اور فون نکال کر ایک بار پھر اس میں مگن ہو گئی اس کو یقیناً کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

اس نے بس ایک نظر سٹیج پر کھڑے شخص پر ڈالی تھی جبکہ باقی سب اس کو غور سے سن رہے

تھے۔

"کوئی نہیں جانتا؟" وہ سر جھکا کر ہلکا سا ہنسا تھا۔ہال میں بیٹھے سب لوگ ٹیچرز سمیت شرمندہ سے ہو گئے۔

"میں بتاتا ہوں۔" وہ گلا کھنکار کر شروع ہوا۔

"کیا زندگی بس یہ ہے کہ ہم پیدا ہوئے، یہاں اس دنیا میں کچھ وقت گزارا اور واپس چلے گئے یا مر گئے؟ نہیں! زندگی بس یہ نہیں جو ہمیں بتایا جاتا ہے۔میری نظر میں زندگی یہ نہیں کہ ہم نے کتنا وقت اس دنیا میں گزارا بلکہ یہ ہے کہ ہم نے کیسے یہ وقت گزارا۔" وہ سب کے تاثرات دیکھنے کے لیے ایک منٹ کو رکا تھا۔سب لوگ الجھی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔یقیناً کچھ بھی ان کے پلے نہیں پڑا تھا۔

"تو زندگی یہ ہے کہ۔۔۔" اس نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ ہال میں کہیں سے آواز گونجی "شیلا! شیلا کی جوانی۔۔۔" اور ایک دم بند ہو گئی۔سب لوگ مڑ مڑ کر اس طرف دیکھنے لگے تھے۔ہال میں بالکل خاموشی تھی۔اسی لیے یہ آواز کافی زور سے گونجی تھی۔ماحول میں چھایا فسوں ٹوٹنے پر سب ہنس پڑے تھے۔وہ زرناب تھی جس کے فون سے آواز آئی تھی۔اس نے شاید غلطی سے انسٹا گرام کھول دیا تھا، جس میں پہلی ویڈیو ہی یہ تھی۔اس نے فوراً فون بند کر دیا۔سب کے

تاثرات دیکھتی وہ شرمندہ سی ہو گئی اور فون اپنی گود میں رکھتی وہ بھی سنجیدہ تاثرات لیے سننے لگی۔

"زندگی یہ ہے کہ ہم کہاں پیدا ہوئے؟ پیدا ہونے کے بعد ہمارے ساتھ کیسا سلوک کیا گیا؟ ہم نے کس ماحول میں پرورش پائی؟ کیسے تعلیم حاصل کی؟ وغیرہ وغیرہ۔ یہ تو سب تھیں بنیادی باتیں جن پر ہمیں کوئی اختیار نہیں تھا۔ اور ہم اس بارے میں کچھ نہیں کر سکتے۔ اب آتے ہیں وہ معاملات جو ہمارے لیے میٹر کرتے ہیں۔" یہاں تک بول کر اسنے واقفہ لیا۔

"کہ لوگ ہمارے ساتھ کیسا بی ہیو کرتے ہیں؟ جیسے ہمارے پیرنٹس نے ہمارے لیے کیا کیا؟ کتنی قربانیاں دیں؟ دیں بھی یا نہیں؟ یا ہمارے فرینڈز کیسے ہیں؟ وہ ہمارے لیے کیا کرتے ہیں؟ اور ہمارا پارٹنر اچھا ہے یا برا؟ ہمیں زندگی میں کیا ملا؟ اللہ نے ہمیں زیادہ دیا یا کم؟ یہ ایسے معاملات ہیں جو ہمارے لیے سب سے زیادہ میٹر کرتے ہیں۔" اس انسان کی آواز اتنی دلکش تھی اور لہجہ اتنا خوبصورت کہ وہاں موجود ہر جاندار تو کیا ہر بے جان چیز بھی دم سادھے اسے سن رہی تھی۔ ایک عجیب سا طلسم تھا عجیب سا فسوں چھایا تھا۔ ان سب میں زرناب بھی موجود تھی گو کہ وہ باقی سب کی طرح مرعوب نظر نہیں آتی تھی مگر اسکی دلچسپی بھی بڑھ گئی تھی۔ اس کو احساس ہوا کہ اس شخص کی آواز میں کچھ تھا جو رک جانے پر مجبور کرتا تھا۔ جو رک کر سننے پر مجبور کرتا

تھا۔

"ہم میں سے بہت سے یا تقریباً سب ہی لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے ساتھ تو بہت برا ہوا ہے۔ کچھ نا کچھ تو۔ کسی کو لگتا ہے کہ ہمارے پیرنٹس ہمیں اس طرح ٹریٹ نہیں کرتے جیسے باقی بہن بھائیوں کو کرتے ہیں، یا انہوں نے ہمارے لیے یا ہمارے مستقبل کے لیے کبھی کوشش نہیں کی۔ کچھ سوچتے ہوں گے کہ اللہ نے انھیں اچھی جگہ پیدا نہیں کیا۔ ہماری قسمت اچھی نہیں، ہم خوبصورت نہیں یا ہمارے پارٹنر یا دوست نے ہمیں دھوکہ دیا ہے اور مزے کی بات کچھ کو تو یہ سب شکایات ہیں۔" آخری جملہ اسنے اس انداز سے کہا کہ ہال میں ایک دفع پھر ہنسی گونج گئی۔ البتہ اسکی باتوں سے سب اتفاق کرتے تھے یہاں تک کہ زرناب بھی۔

"اب تیسری کیٹیگری وہ ہے جس سے ہمیں بالکل کوئی فرق نہیں پڑتا یا جو بالکل میٹر نہیں کرتی۔ آپ سب اس دوسری کیٹیگری کے بارے میں تو ہر وقت سوچتے ہوں گے لیکن کیا کبھی یہ سوچا ہے کہ آپ خود کیسے ہیں؟ جی ہاں! تیسری بات یہی ہے کہ ہم کیا کرتے ہیں؟ کیا آپ نے کبھی سوچا کہ آپ اپنے پیرنٹس سے کیسا بیہیو کرتے ہیں؟ اگر آپ کے پیرنٹس آپ کے ساتھ اچھے نہیں بھی ہیں تو آپ کیا ہیں؟ وہ آپ سے روڈ یا دل دکھانے والی بات کرتے ہیں تو آپ کیا ردعمل دیتے ہیں؟ اگر آپ کے بہن بھائی، آپ کے دوست، یا آپ کا پارٹنر آپ کو دھوکہ دیتے ہیں یا

پیٹھ پیچھے وار کرتے ہیں تو کیا آپ ایک آئیڈیل بہن بھائی، دوست یا پارٹنر ہیں؟"اس کی باتیں سن تو وہ سب رہے تھے لیکن اثر شاید ہی سب پر ہو رہا تھا کیونکہ وہ سب ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکالنے والے لوگ تھے۔

"ہم میں سے اکثر لوگ خود کو ہر لحاظ سے بیسٹ سمجھتے ہیں بیسٹ نہیں تو اچھا تو سمجھتے ہی ہیں اور اگر کوئی ہمیں ہماری غلطی بتاتا ہے یا ہماری تصحیح کرنے کی کوشش کرتا ہے تو ہم لڑنا شروع کر دیتے ہیں یا اسکی باتوں پر کان ہی نہیں دھرتے اور یہ ماننے کو تیار ہی نہیں ہوتے کہ ہم نے کچھ غلط کیا ہے اور ہمارے جیسی غلطی اگر کسی اور سے ہو جائے تو اسے غلط مانتے ہیں مگر خود کو اسکے ساتھ منسوب نہیں کرتے۔ ہمارا مسئلہ ہی یہ ہے کہ ہم خود کو دوسروں کی جگہ پر رکھ کر نہیں سوچتے کیونکہ ہم تو دوسروں جیسے نہیں ہیں نا، ہم تو اچھے ہیں لیکن ہم ہر دفع اچھے نہیں ہوتے۔ ضروری نہیں کہ ہم اگر ایک اچھا کام کر دیں تو ہم پوری زندگی کے لیے صحیح ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ سورۃ البقرۃ میں فرماتے ہیں کہ :'مہر لگا دی اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں اور آنکھوں پر پردے ہیں'اس آیت میں اللہ تعالیٰ انھیں لوگوں کے بارے میں بات کر رہے ہیں جن کو اچھی بات بتائی جائے اور وہ سننے سے انکار کر دیں۔ کبھی یہ سوچا ہے کہ کہیں اس آیت میں ہماری بات تو نہیں ہو رہی یا کہیں ہم بھی تو ان لوگوں میں شامل نہیں؟ نہیں نا! کیونکہ برا تو ہمیشہ ہمارے

ساتھ ہوتا ہے۔ مطلب ایسے لوگ جو سن کر بھی نہیں سنتے اور دیکھ کر بھی نہیں دیکھتے مطلب اگنور کرتے ہیں۔ اسی لیے زندگی میں اپنی آنکھیں اور کان لپیٹ کر چلنے کے بجائے ہر زینے پر ہر موڑ پر ہمیں رک کر دیکھنا چاہیے کہ ہم اس دوڑ میں کہیں کسی کو زخمی نہ کر دیں۔ ہمیں اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ ہماری باتیں، ہمارے رویے یا ہماری لاپرواہی کسی کے لیے تکلیف کا باعث نا بن جائے۔ اور سب سے بڑی بات ہم جو اپنے لیے چاہتے ہیں، ہمیں چاہیے کہ دوسروں کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کریں۔ اور یہ یاد رکھیے گا ہم جو کرتے ہیں وہ پلٹ کر ہمارے پاس واپس ضرور آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کبھی ہمارے ساتھ ناانصافی نہیں کرتے۔ جو کچھ ہم کرتے ہیں وہی مڑ کر ہمارے پاس واپس آتا ہے مطلب آج جو ہمارے ساتھ ہو رہا ہے وہ کسی ایسے عمل کا بدلہ ہے جو ہم ماضی میں کر چکے تھے بس ایک بار اپنے آپ کو کھنگال کر دیکھیں۔" وہ چپ ہو چکا تھا مگر ہال میں اب بھی ایک فسوں سا چھایا تھا۔ کسی نے کچھ سمجھنے کی یا کوئی اثر لینے کی کوشش کی بھی ہو گی یا نہیں مگر وہ سب اس شخص کے لہجے اور آواز کے کے زیر اثر ضرور تھے۔ اچانک کسی نے تالیاں بجائیں تو باقی سب بھی بجانے لگے۔ وہ جی بھر کر مسکرایا تھا۔ دھوپ کھڑکی سے سیدھا اسکے چہرے پر پڑ رہی تھی جس سے اسکی سنہری انکھیں چمک رہی تھیں، اس کی آنکھوں کی چمک اس کی شگفتگی کو مزید نکھار دیتی تھی۔ اس کی مسکراہٹ دیکھ کر لگتا تھا شاید اس کو اپنی ستائش بہت

پسند تھی۔زرناب نے دیکھا جب وہ مسکراتا تھا تو اسکے ایک گال میں گڑھا بنتا تھا۔وہ سٹیج سے اتر چکا تھا اور اب ہال سے باہر نکل رہا تھا۔سب لوگ اسکے پیچھے ایک سیلاب کی طرح بڑھے تو شور کی وجہ سے طلسم ٹوٹا اور زرناب ہوش میں آئی۔سب لوگ جا چکے تھے مگر وہ اب بھی وہیں بیٹھی خلا میں گھور رہی تھی۔زرناب نے اعتراف کیا کہ اس انسان کے الفاظ روح کے اس کونے کو چھوتے تھے جسے دنیا والوں سے چھپانے کے لیے سالوں کا سفر طے کیا ہو۔اسے اعتراف کرنا پڑا۔

☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆

ہادی یونس کی تقریر ختم ہو چکی تھی، وہ دن ختم ہو چکا تھا، ہادی یونس جا چکا تھا، مگر کیا واقعی؟ ڈیپارٹمنٹ میں اگلے کئی دنوں تک اسی طرح کی ہلچل تھی۔سب لڑکیاں اب بھی اس کے سحر میں جکڑی ہوئی تھیں یہاں تک کہ لڑکے بھی جو عام طور پر دوسرے مردوں کی تعریف میں کنجوسی دکھاتے ہیں۔سب ہی ہادی کے اندازِ گفتگو اور اس کی جاندار شخصیت کے گن گا رہے تھے۔ہر گفتگو۔ہر کینٹین کی گپ شپ اور ہر واٹس ایپ گروپ کے میسجز میں وہ مکمل طور پر چھایا ہوا تھا۔زرناب جہاں سے بھی گزرتی اسے اس سنہری آنکھوں والے کا تذکرہ سننے کو ملتا۔

"اوہ خدایا زرناب! تم نے سنا تھا ہادی یونس کو؟ وہ جب بول رہا تھا تو اس کی آواز میں کتنا ٹھہراؤ

تھا۔" کینٹین میں موجود ٹیبل پر بیٹھی رھف نے چمچ ہلاتے ہوئے ایک بار پھر وہی راگ الاپنا شروع کیا۔

"سنا ہے وہ بہت بڑے بڑے انٹرنیشنل فورمز پر پاکستان کی نمائندگی کر چکا ہے۔ایسی پرسنالٹی تو میں نے آج تک کسی کی نہیں دیکھی۔"

قریب ہی کھڑی لڑکی نے فوراً اس کی تائید کرنا اپنا فرض سمجھا۔

"بالکل! اس کی باتیں سیدھا دل میں اتر رہی تھیں۔وہ انسان نہیں کوئی جادوگر تھا۔"

زرناب جو چپ چاپ اپنے نوٹس بیگ میں رکھ رہی تھی،اس مسلسل اور بے جا ذکر سے اکتا گئی۔ ملکہ کو کسی کی تعریف اور اس قدر تعریف پسند نہیں آتی تھی۔اس کے چہرے کا ازلی سکون اب ہلکی سی جھنجھلاہٹ میں بدل چکا تھا۔وہ کوئی عام سی لڑکی نہیں تھی جو کسی کے ظاہری چارم سے متاثر ہو کر اس کی دیوانی ہو جاتی اوپر سے ہادی یونس کا یہ ذکر اب اس کے کانوں پر بوجھ بنتا جا رہا تھا۔اس نے ایک گہری اور بے زار کی سانس خارج کی اور بیگ کندھے پر ڈالتی بنا کچھ کہے وہاں سے چل دی۔یونیورسٹی کی راہداریوں سے گزرتے ہوئے اس کے احساسات عجیب سے تھے۔ وجہ وہ خود بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی،بس اتنا جانتی تھی کہ وہ اکتا رہی تھی،کیا اب اگلے چند سالوں تک ایک یہی بات سننے کو ملے گی؟وہ ایسی ہی تھی چیزوں سے بہت جلد اکتا جانے والی اور تنگ

آجانے والی۔اب کے اس کا دماغ جھنجھالنے لگا تھا۔وہ بار بار بس ایک بات سوچ رہی تھی کہ آخر اس شخص میں ایسا کیا تھا جو وہ دیکھ نا پائی؟جو وہ سمجھ نا پائی؟سب لوگ اس سے متاثر تھے،وہ تو زرناب بھی کسی حد تک ہوئی تھی مگر اس قدر نہیں کہ اب ہر وقت اسی پر تبصرے کرتی رہتی۔کیا لوگوں کو کوئی کام نہیں رہ گیا؟

یونیورسٹی کے اس ہنگامے اور ہادی یونس کے تذکرے سے دور جب وہ اپنے ہاسٹل کے کمرے میں پہنچی تو ایک مانوس سی خاموشی اس کی منتظر تھی۔اس نے بیزاریت سے بیگ بیڈ پر پٹخا اور واشروم جا کر منہ ہاتھ دھوئے۔واپس آکر بیڈ پر بیٹھی اور عادت کے مطابق اپنے بال سلجھانے لگی۔رھف کی غیر موجودگی میں وہ اس وقت اکیلی تھی اور یہی وہ وقت ہوتا تھا جب اس کی اپنی ذات کا ملال اس کے گرد گھیرا ڈال لیتا تھا۔

اسی لمحے اس کے موبائل کی سکرین روشن ہوئی،اس نے نظر ڈال کر دیکھا تو نوٹیفیکیشن بار میں پڑے اپنے بھائی کے ڈھیروں ڈھیر میسجز دکھے۔اس نے گہری سانس بھر کر فون اٹھایا اور میسج لکھنے کے بجائے سیدھا کال ملالی۔دوسری طرف سے پہلی ہی بیل پر کال اٹھالی گئی تھی جیسے وہ فون ہاتھ میں پکڑے بیٹھا تھا۔

"اسّلام علیکم!کیسی ہو زرناب؟"اس کی آواز میں ایک مانوس سی فکر اور اپنایت تھی جو بڑے

بھائیوں کا خاصہ ہوتی ہے۔

"وعلیکم السّلام! میں ٹھیک ہوں مبشر! تم بتاؤ، گھر میں سب کیسے ہیں؟" اس نے نہایت مختصر اور سپاٹ انداز میں حال احوال پوچھا تھا۔

"سب ٹھیک ہیں بس تمہاری کمی ہے۔" اس نے چھوٹے سے وقفے کے بعد اپنے اصل مقصد کی طرف آتے ہوئے کہا۔ "بہت دن ہو گئے ہیں تمہیں وہاں گئے۔ مانا کہ تب حالات ایسے بن گئے تھے، اب بس کرو واپس آ جاؤ۔"

زرناب کے ہاتھ میں پکڑا ہوا برش ایک پل کے لیے رک گیا۔ اس کی آنکھوں میں وہی پرانی انا اور ضدی پن جاگ اٹھا تھا۔ وہ اٹھی اور اپنا رخ کھڑکی کی طرف کر کے کھڑی ہو گئی۔

"میں نہیں آؤں گی مبشر! میں تمہیں پہلے بھی کئی بار بتا چکی ہوں۔" وہ تاثرات سے عاری لہجے میں بولی تھی۔ کھڑکی سے نظر آتی سڑک خالی تھی، اکا دکا گاڑیاں کبھی کبھار گزر جاتیں۔

"تم کب تک وہاں بیٹھی رہی ہو گی زری؟" اب کے اس نے سمجھانے کی کوشش کی تھی اور یہ پہلی بار تھا کیونکہ اب تک وہ بس واپس آنے کو بولتا اور زرناب منع کر دیتی تو وہ چپ ہو جاتا مگر اب بہت ہو چکا تھا۔

"بابا بھی بوڑھے ہو رہے ہیں، اس دن انہوں نے غصے میں کچھ کہہ دیا تو کیا تم اس طرح رشتے

ناطے توڑ کر بیٹھ جاؤ گی؟"

زرناب کے لبوں پر ایک زخمی مسکراہٹ پھیل گئی۔اس کا بھائی سمجھ رہا تھا کہ وہ اس ایک دن کے غصے کی وجہ سے آ گئی ہے؟

"بات اس ایک دن کی ڈانٹ کی نہیں ہے مبشر! اور اگر ہے بھی تو وہ کوئی چھوٹی بات نہیں تھی۔

"اس کی آواز میں اب سالوں سے جمع ہونے والا ملال جھلک رہا تھا، لیکن اس کا بھائی نہیں جان سکا، نہیں سمجھ سکا۔

"بس کرو زرناب! پلیز بھول جاؤ سب، واپس آ جاؤ۔" وہ اب منت کرنے پر اتر آیا تھا۔زرناب اسے اپنا دل نہیں دکھا سکتی تھی ورنہ وہ دیکھ لیتا کہ کس قدر خاک جمع کر رکھی تھی اس نے اپنے دل میں۔اس نے ایک گہرا سانس لیا۔اس کی انا آنکھوں میں جمع ہونے والے آنسوؤں کے آگے بند بن چکی تھی، منہ سے نکلنے والے شکوؤں کے آگے بند بن چکی تھی۔رکھنے والے کی درخواست میں عاجزی تھی، التجاء تھی کہ کسی کا بھی دل پگھل جاتا مگر ملکہ خاک کا دل بھی خاک تھا۔اس میں کوئی ہلچل نہیں ہوئی اور اس نے بے نیازی سے رکھنے والے کی درخواست رد کر دی۔

"میں زرناب کمال ہوں مبشر! میں کسی کے گھر کے کونے میں پڑا ہوا کوئی غیر ضروری سامان

نہیں ہوں جسے جب چاہا ڈانٹ دیا اور جب چاہا نظر انداز کر دیا۔ اگر بابا کو میری پرواہ نہیں ہے تو میری عزتِ نفس بھی مجھے اجازت نہیں دیتی کے بار بار ان کے سامنے جا کر اپنا رد ہونا برداشت کروں۔ اب پلیز دوبارہ مجھ سے واپس آنے کے لیے مت کہنا۔ میں نہیں آؤں گی۔"

مبشر دوسری طرف خاموش ہو کر رہ گیا تھا، وہ جانتا تھا کہ اس کی انا اور سالوں کا بوجھ جب ایک ساتھ سامنے آجائیں تو دنیا کی کوئی طاقت اسے اپنے فیصلے سے ہٹنے سے نہیں روک سکتی تھی۔ وہ بہت دیر تک کچھ نا بولا تو زرناب نے کال کاٹ دی۔

ادھر زیدی ہاؤس کے وسیع اور پر تعیش لاؤنج میں فضاء بالکل مختلف تھی۔ دیوار پر لگی پرانی خاندانی تصویریں اور آرمی کی شیلڈز اس کے مالک کے ماضی اور مزاج کا مکمل پتا دیتی تھیں۔ وہ اس وقت صوفے پر بیٹھے اخبار پڑھنے میں مصروف تھے۔ کلف لگے شلوار قمیض اور چہرے پر چھائی سنجیدگی ان کے کسی وقت میں آرمی آفیسر ہونے کا پتا دیتی تھی۔ ان کا کسرتی، جاندار قد کاٹھ ان کے اندر کے رعب کو کم نہیں ہونے دیتا تھا۔ ان کے چہرے پر ایک ایسی کٹھور سنجیدگی مسلسل جمی رہتی تھی جو کسی کو بھی ان کے سامنے اونچی آواز استعمال کرنے کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو اپنی زندگی میں کبھی کسی کے آگے جھکے نہیں تھے، اور بالکل یہی ضدی خون اس وقت ہاٹل کے ایک کمرے میں 'زرناب کمال' بن کر تپ رہا تھا۔ مبشر نے فون جیب

میں رکھا اور ایک گہری سانس بھرتا اپنے بابا کے مقابل آ کھڑا ہوا۔اس کے چہرے پر فکر مندی صاف عیاں تھی۔

"میری زرناب سے بات ہو گئی ہے۔"اس نے ہچکچاتے ہوئے بات کا آغاز کیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ بابا کے سامنے اس قسم کے موضوع پر بات کرنا بارود پر چنگاری پھینکنے کے مترادف تھا۔

"کیا کہا اس نے؟"انہوں نے اخبار سے نظریں نہیں ہٹائی تھیں۔

"وہ واپس آنے سے انکار کر رہی ہے۔میں نے اسے بہت سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ اپنی ضد پر اڑی ہوئی ہے۔"

"اگر وہ نہیں آنا چاہتی تو مت بلاؤ اسے۔"ان کا لہجہ دوٹوک تھا۔ان کے الفاظ پر مبشر حیرت سے گنگ چہرہ لیے انہیں دیکھنے لگا تھا۔

"ہمارے خاندان کی لڑکیاں نخرے دکھانے کے لیے گھر نہیں چھوڑتیں اگر اس نے ایک بار اس گھر کی دہلیز پار کی ہے تو اسے دنیا کی سرد و گرم کو بھی خود ہی جھیلنا ہو گا۔"

"لیکن بابا وہ آپ کی بیٹی ہے۔آپ نے اسے بلاوجہ ڈانٹا تھا۔"

"بس مبشر!"عبد لکمال نے ہاتھ اٹھا کر اسے بیچ میں ہی ٹوک دیا۔"میں نے اسے ڈانٹ کر کوئی جرم نہیں کیا تھا،میرا فرض تھا وہ۔لیکن اگر وہ اپنی انا کے نیچے اس قدر دب چکی ہے کہ اسے اپنے

باپ کی ڈانٹ بھی تذلیل لگنے لگی ہے تو یاد رکھنا،اس کا باپ عبد لکمال ہے۔اور میں ایک ضدی لڑکی کو منانے کے لیے ہاسٹل کے چکر نہیں لگاؤں گا۔اسے بہت شوق ہے نا اپنے فیصلے خود کرنے کا تو رہنے دو اسے یونہی۔" وہ اپنی بات ختم کر چکے تھے اور مبشر انہیں بے بسی سے دیکھ کر رہ گیا۔ کمال نے اخبار دوبارہ اٹھالیا تھا جیسے یہ بات ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکی ہو۔وہ ان پر ایک آخری نظر ڈالتا وہاں سے ہٹ گیا۔اگر زرناب ضدی تھی تو عبد لکمال کا ہی خون تھی۔وہ دونوں ایک دوسرے سے بڑھ کر تھے اور بے چارہ مبشر ان دونوں کے بیچ پھنس کر رہ چکا تھا۔

☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆

ستمبر کی وہ رات اپنے ساتھ ایک عجیب سا سکوت لے کر آئی تھی۔رات کہ اس پہر ہوا میں ایک ہلکی سی خنکی رقص کر رہی تھی۔موسمِ خزاں کی وہ پہلی دستک جہاں پتے گرنے سے پہلے فضا بالکل ساکت ہو جاتی ہے۔اسی سرسراتی،سنسان فضاء کے بیچ و بیچ،فلڈ لائٹس کی تیز سفید روشنی میں نہایا وہ سفید ڈھانچہ دور سے بھی دیکھا جا سکتا تھا۔اونچا اور وسیع،ایک بہت بڑے رقبے پر پھیلا وہ محل پوری شان سے کھڑا، گزرنے والوں پر اپنی امارت کا رعب طاری کر رہا تھا۔قریب آنے پر بڑے سے داخلی لوہے کے گیٹ کے ساتھ جلی حروف میں 'وائٹ پیلس' لکھا تھا۔اونچی سفید دیواریں،یونانی طرز پہ بنے ہوئے بھاری ستون اور مخملی سبز لان رہنے والے کے ذوق کا پتا

دیتے تھے۔ باہر سے سب کچھ بے داغ اور پرفیکٹ تھا، مگر اس سفید محل (وائٹ پیلس) کی بظاہر نظر آنے والی خوبصورتی میں ایک عجیب سی سردی تھی، جہاں زندگی کی گرم جوشی کا کوئی گزر نہیں تھا۔ اسی وقت ایک سیاہ چمکتی گاڑی گیٹ سے اندر داخل ہوئی اور سیدھا جا کر پورچ کے سیاہ سنگِ مرمر کے چمکدار فرش پر رک گئی۔ انجن خاموش ہوا تو ہلکی خنکی بھری ہوا میں جلتی ہیڈ لائٹس بند ہو گئیں۔ ایک گارڈ نے باہر نکل کر دروازہ کھولا، گاڑی کا پچھلا دروازہ کھلا اور وہ باہر نکلا۔ اس طویل، تھکا دینے والے دن کے بعد بھی اس کے وقار میں کمی نہیں آئی تھی۔ کوٹ بازو پر ڈالے وہ باہر نکلا تھا اور ایک کٹیلی نظر گارڈ پر ڈالی۔

"کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ میرے لیے دروازے مت کھولا کرو؟" وہ ابرو اچکائے، درشتی سے اس سے پوچھ رہا تھا۔

"سوری سر! لیکن یہ میری ڈیوٹی ہے۔" گارڈ بنا ڈرے، بنا جھجکے بولا۔ وہ اس سے مانوس لگتا تھا، وہاں موجود ہر دوسرا شخص اس سے مانوس لگتا تھا۔

"چاہے میرا گھر ہو یا سٹار لٹ، سب کی ڈیوٹی میں طے کروں گا اور پلیز! آفس تک تو ٹھیک تھا مگر گھر میں ہر وقت میرے سر پہ سوار رہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" وہ بیزاریت سے کہتا اندر کی جانب بڑھ گیا۔ گارڈ نے مؤدب سے انداز میں سر کو خم دیا تھا مگر اتنا تو یحییٰ بھی جانتا تھا کہ اگلی

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

بار پھر یہی ہو گا۔یحییٰ لکڑی کے بڑے دروازے تک پہنچا اور پھر اسے پار کرتا اندر داخل ہو گیا۔ اس کے انداز میں ایسی تمکنت اور شاہانہ پن تھا جو بتا رہا تھا کہ یہ جگہ اس کی تھی، یہ پیلس اس کا تھا۔ لیکن اس کی آنکھوں میں اس سب کے لیے خوشی، جوش، فخر کچھ نہیں تھا۔اس نے اپنی شرٹ کا پہلا بٹن کھولا اور بھاری قدموں سے چلتا لاؤنج میں داخل ہو گیا۔آج بہت دیر ہو گئی تھی اس کو مگر حسیب اور ان کی بیوی آسیہ بیگم اب بھی وہیں موجود تھے۔یحییٰ کے داخل ہوتے ہی یکدم وہاں خاموشی چھا گئی، ایک ایسی خاموشی جواب مقدر بن گئی تھی، ایک ایسی خاموشی جو کاٹ کھانے کو دوڑتی تھی۔آسیہ نے امید بھری نظروں سے اپنے بڑے بیٹے کو دیکھا جیسے وہ چاہتی ہوں کہ آج وہ کم از کم انہیں دیکھ کر سر ہی ہلا دے مگر یحییٰ نے ہمیشہ کی طرح اپنی نظریں سیدھی رکھیں۔وہ بالکل ان کے سامنے سے گزرا جیسے وہاں کوئی موجود ہی نا ہو۔وہ انہیں اس حد تک نظر انداز کرتا تھا جیسے وہ اس کی زندگی کہ کینوس پر محض چند دھندلے سائے ہوں۔حسیب نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر رخ موڑ لیا۔وہ اس روز روز کی سرد مہری کے عادی ہو چکے تھے۔وہ ان کے سامنے سے گزرتا اوپر کی طرف چل دیا۔وہ سیڑھیاں چڑھتا اپنے کمرے کے کوریڈور میں پہنچا ہی تھا کہ سامنے والے کمرے کا دروازہ کھلا اور یاسین کانوں پر ہیڈ فون لگائے، ہاتھ میں پانی کی بوتل لیے باہر نکلا۔اس کو دیکھتے ہی یحییٰ کے قدم رک گئے تھے۔یاسین اس کا چھوٹا بھائی تھا، اس سے

تقریباً تین سال چھوٹا، بے حد لاپرواہ، غیر زمہ دار اور دنیا کے ہر جھنجھٹ سے بالکل آزاد۔اس گھر میں وہ واحد وجود تھا جس کے ساتھ اسے کوئی بیر نہیں تھا اور اس سے مسکرا کر بات بھی کر ہی لیتا تھا۔یحییٰ کو دیکھتے ہی اس نے ہیڈ فون گلے میں لٹکائے اور مسکراہٹ سجائے اس کے قریب آیا۔

"اوہ آ گئے سرکار! کیسے ہیں؟ شکل سے تو لگتا ہے آدھے ملازمین کو فائر کر کے ہی آ رہے ہیں۔"

یحییٰ کوئی جواب دینے کے بجائے ہلکا سا مسکرایا تھا۔

"ٹائم دیکھا ہے تم نے؟ اب تک کیوں جاگ رہے ہو؟" اس کی آواز نہایت دھیمی اور تھکن سے چور مگر نرم تھی۔یہ وہ آواز تھی جو اس گھر اور سٹارلٹ میں کبھی کسی اور نے نہیں سنی تھی۔

"آپ کی کمی محسوس ہو رہی تھی۔سوچا آج چوکیداری میں کر لوں۔ویسے بھی گھر کا سب سے خطرناک شخص جب باہر ہو تو کسی تو جاگنا چاہیئے نا حفاظت کے لیے۔" اس نے ہیڈ فون واپس کانوں پر چڑھاتے ہوئے ایک آنکھ دبائی۔

"حفاظت تمہارا کام نہیں ہے اور اس چوکیداری کے لیے میں تمہیں تنخواہ بھی نہیں دیتا۔" اس نے ایک گہری سانس بھرتے ہوئے، تاسف سے سر ہلایا تھا۔یاسین آنکھیں پٹپٹاتا ایک طرف سے ہو کر آگے نکل گیا۔

"آئندہ میرے آنے کا انتظار نہیں کرنا، سو جایا کرو، ورنہ کل سے سٹار لٹ میں تمہاری انٹرن شپ پکی، صبح سات بجے کی شفٹ۔" وہ پیچھے سے اونچی آواز میں بولا تھا۔ یاسین پہلے بوکھلایا اور پھر پلٹ کر اسے دیکھا۔

"ارے نہیں بھائی! میں تو بس۔۔ مجھے بہت نیند آ رہی ہے، سچی۔ میں بس۔" وہ بے ربط الفاظ نکالتا فوراً وہاں سے رفو چکر ہوا تھا۔

"برف کے گولے سے شرارت مہنگی پڑ گئی۔" جاتے جاتے وہ بڑبڑایا تھا۔ یحییٰ نفی میں سر ہلاتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ کمرے کے اندھیرے میں اس نے کوٹ اتار کر بیڈ پر پھینکا اور ٹائی کی گرہ ڈھیلی کرتے ہوئے صوفے پر ڈھیر ہو گیا۔ اس نے سر صوفے کی پشت سے ٹکایا اور آنکھیں بند کرتا ہتھیلیوں سے رگڑنے لگا۔ اس وقت اس اندھیرے میں وہ سرد اور پرکشش یحییٰ نہیں تھا، بلکہ وہ ایک تھکا ہوا انسان تھا جس کے گرد سالوں کا وہ خاموش ملال رقص کر رہا تھا، جس کا کوئی دوسرا گواہ نہیں تھا۔ اس کی بند آنکھوں کے پیچھے وہ پوشیدہ سچ گھوم رہا تھا، جس کی وجہ سے اس نے خود کو اس روپ میں ڈھال لیا تھا اور اس سچ کی لکیریں کہیں نا کہیں اندھیرے میں رقص کرتی ہوئیں اور اس دلِ خاک تک پہنچ رہی تھیں۔

☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆

زرناب آج یونیورسٹی سے واپس آئی تو معمول سے ہٹ کر تھکن محسوس کر رہی تھی تو کھانا کھائے بغیر ہی بیڈ پر ڈھیر ہو گئی۔اس کی سخت روٹین نے اسے ویسے ہی تھکا دیا تھا اوپر سے مبشر کی وہ کال اس کے اندر نئے سرے سے گہرا ملال بھرنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔وہ چینج کر کے جیسے ہی اپنے بیڈ پر لیٹی، دل بہلانے کے لیے انسٹا گرام کھول لیا اور سکرول کرنے لگی۔وہ ایک کے بعد ایک ویڈیو سکرول کر رہی تھی جب اس کا انگوٹھا ایک جگہ رک گیا۔سکرین پر ایک بار پھر وہی جانا پہچانا، پر کشش چہرہ اور گہری، چمکتی سنہری آنکھیں دکھ رہی تھیں۔زرناب نے ایک پل کو رک کر اپنے نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے دبایا، وہ اس ویڈیو پر تو ہرگز نہیں رکنا چاہتی تھی، اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی اس سے مگر پتا نہیں وہ کیا چیز تھی، جو اسے رک کر دیکھنے پر مجبور کر رہی تھی؟ شاید اس شخص کے الفاظ، وہ سحر جسے وہ تسلیم نہیں کرنا چاہتی تھی۔اس وقت اس نے بغیر زیادہ سوچے سمجھے اس کے آفیشل اکاؤنٹ پر کلک کر دیا اور وہاں موجود پہلی ویڈیو پلے کر دی۔ ویڈیو کا بیک گراؤنڈ سادہ اور پر سکون تھا۔ہادی نے سیاہ ہائی نیک سویٹر پہن رکھی تھی اور اس کی چمکتی سنہری آنکھیں کیمرے کی طرف دیکھ رہی تھیں۔چہرے پر وہی دوستانہ اور شگفتہ مسکراہٹ تھی۔وہ کوئی جادوگر لگتا تھا، اپنے الفاظ، اپنی آواز اور اپنی چمکتی آنکھوں سے جادو کرتا ہوا، سحر پھونکتا ہوا۔ارد گرد کا منظر بدلا اور اب وہ ایک دربار میں موجود تخت پر بیٹھی تھی۔سیاہ

تخت، سیاہ دربار جس میں رنگوں کی کوئی رمق نہیں تھی اور اس کے سامنے کھڑا تھا وہ، سنہری آنکھوں والا ساحر، جس کی مسکراہٹ سب کو مبہوت کرنے کے لیے کافی تھی۔ ساحر نے منتر پڑھنا شروع کیا تو ملکہ کے گرد ایک ان دیکھا سا حصار قائم ہونے لگا۔ وہ حصار سنہری آنکھوں سے روشنی اور چمک کی صورت نکلتا، اس کی آواز کی مٹھاس کو خود میں شامل کرتا، اس کے گرد رقص کرنے لگا تھا۔ ایک ایسا ہالہ جو اسے بری طرح جکڑ رہا تھا، چاروں طرف سے۔ چمکیلی، سنہری روشنی ملکہ کے وجود اور تخت کے گرد لپٹتی اسے بھی روشن کرنے لگی تھی۔ ساحر سحر پھونکتا رہا اور روشنی اسے جکڑتی رہی جب تک وہ پوری طرح اس کے وجود کو روشنی اور چمک سے مانوس نہ کروا گیا۔ یکدم منظر ختم ہو گیا، دربار کہیں غائب۔ وہ ایک بار پھر جدید دور میں اپنے ہاسٹل کے کمرے میں موجود، بیڈ پر چت لیٹی تھی۔ ویڈیو ختم ہو گئی مگر زرناب کا بالکل سیدھا لیٹا ہوا وجود ساکت ہو گیا تھا۔ اس کے کچھ الفاظ اس نے سن لیے تھے اور کچھ کو سننے کی فرصت نہیں ملی تھی۔ جو سن چکی تھی وہ جامد کرنے والا تھا اور جو نہیں سنا تھا وہ ساکت کر چکا تھا۔ وجہ تھی کہ کیوں؟ کیوں نہیں سنا تھا اس نے؟ یہ اچانک کیا ہوا تھا اس کے ساتھ؟ الفاظ اس کے ذہن کو چھو کیوں نہیں پائے تھے؟ وہ سحر زدہ سی کیوں ہو رہی تھی؟ جیسے قدیم وقتوں کے کسی جادو گر نے اس پر کوئی منتر پڑھ کر پھونک دیا ہو اور وہ اس کے سحر میں قید ہو کر رہ گئی ہو۔ ایک ایسی قید جس

میں رہنے کا دل بھی کرے اور جس میں رہنے سے خوف بھی آئے۔

☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆

اگلی صبح سٹارلٹ کا پر تعیش اور دباؤ سے بھرپور ماحول ایک نئے تماشے کا منتظر تھا۔ریسپشنسٹ کے آگے سے گزرتی وہ اسے پوری طرح نظر انداز کر کے اندر کی طرف بڑھ رہی تھی جب اسے وہیں روک دیا گیا۔

"ایکسکیوزمی میم! آپ وہاں نہیں جا سکتیں۔"ریسپشنسٹ نہایت مؤدبانہ انداز میں بولی تھی۔اس کی سفید اونچی ہیلز میں مقید قدم رکے اور ایڑھیوں پر گھوم کر اس نے اسے دیکھا۔ گھومنے کی وجہ سے اس کے سیاہ ریشمی بال، جو کہ کندھوں سے زرا نیچے تک آتے تھے، لہرا گئے۔ اس کی بڑی بڑی سیاہ چمکدار آنکھوں میں معصومیت تھی۔چہرہ سرخ و سپید تھا اور گال پھولے ہوئے۔گلابی قمیض کی وجہ سے رنگ مزید کھلا کھلا لگ رہا تھا۔عنابی لب معصوم مسکراہٹ میں ڈھلے اور وہ ریسپشنسٹ کی طرف بڑھی۔

"آئی ایم سوری! مجھے پتا نہیں تھا۔مجھے یحییٰ سے ملنا ہے، کس طرف جاؤں؟"وہ قدم قدم لیتی اس تک آئی اور پوچھنے لگی۔اس کے چہرے پر ایک ایسا بھولا پن تھا کہ کوئی بھی پہلی نظر میں اس پر بھروسہ کر لے اور آواز! وہ تو شکل سے بھی زیادہ معصوم جیسے اس کے لہجے میں کوئی بناوٹ نہ

ہو۔

"کیا آپ کے پاس اپائنٹمنٹ ہے؟"

"جی!" اس نے اپنے فون کی سکرین ریسپشنسٹ کے آگے لہرائی تو اسے راستے اور سمت سے آگاہی دی گئی۔ وہ سر ہلاتی اس طرف چل دی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد وہ چیف ایگزیکٹو آفس کے باہر بنے پرسنل سیکرٹری کے ڈیسک کے آگے کھڑی تھی۔ آئمہ نے سر اٹھایا اور اوپر سے نیچے تک اس کا جائزہ لیا۔ اس نے اسے بھی اپنے آنے کی وجہ بتائی تھی۔ آئمہ نے اس کو اندر جانے کا اشارہ کیا تو وہ مسکرا کر سر کو خم دیتی اس طرف بڑھ گئی اور شیشے کا بھاری دروازہ دھکیلتی اندر داخل ہوئی۔ اس کو گئے ابھی دس ہی منٹ گزرے تھے جب آئمہ کے ڈیسک پر موجود انٹر کام بج اٹھا۔ آئمہ نے انٹر کام کان کے ساتھ لگایا، یحییٰ اسے اندر بلا رہا تھا۔ وہ ایک گہری سانس لیتی اٹھی اور بادشاہ کے دربار میں جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ وہ دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوئی تو آفس کی ازلی خاموشی اور سکوت سامنے اس کے منتظر تھے۔ ماحول ہمیشہ کی طرح سرد تھا اور یحییٰ اپنے چمڑے کی کرسی پر شان سے براجمان تھا اور گلابی لباس والی لڑکی صوفے پر بیٹھی تھی۔ آئمہ کو کسی انہونی کا احساس ہوا۔

"آپ نے بلایا سر؟" وہ مؤدب سے انداز میں بولی تھی۔ یحییٰ نے ہاتھ میں موجود قلم میز پر

چھوڑا،اپنی گہری سیاہ آنکھیں آئمہ کے چہرے پر ٹکائیں اور بغیر کسی تمہید کے صاف اور دوٹوک انداز میں بولا۔

"یو آر فائرڈ آئمہ ! تم آج سے ہی سٹار لٹ سے فارغ ہو۔"

اس کے جملے آئمہ کے پیروں کے نیچے سے زمین کھینچنے کے لیے کافی تھے۔اس کا رنگ پل میں اڑا تھا اور وہ صدمے سے، منہ کھولے، ہکا بکا سی کھڑی اسے دیکھنے لگی۔کچھ پل کو وہ کچھ بول نہیں پائی تھی۔

"لیکن سر۔۔۔۔کیوں؟" وہ بولی تو اس کی آواز بھر آئی تھی۔اسے تلوار اپنے سر پہ لٹکتی محسوس ہو رہی تھی۔

"مجھ سے کیا غلطی ہوئی ہے؟ میں نے ہمیشہ اپنا کام وقت پر کیا ہے، آپ مجھے بنا کسی وجہ کے یوں نکال نہیں سکتے۔" وہ بے بسی سے بولی تھی۔

"وجہ بہت صاف ہے آئمہ ! میں اشمل احسان کو اپنی پرسنل سیکرٹری رکھنا چاہتا ہوں تو تمہاری اس بلڈنگ میں اب کوئی جگہ نہیں ہے۔" فرمان کرتے وقت بادشاہ کا چہرہ تاثرات سے عاری ہوتا تھا۔اب بھی تھا جیسے وہ کوئی بہت عام سی بات کر رہا ہو۔

"یہ کوئی انصاف نہیں ہے سر ! میں یہاں دو سالوں سے کام کر رہی ہوں۔آپ یوں نئی آئی لڑکی

کے لیے مجھے نکال نہیں سکتے۔" وہ دبی دبی آواز میں احتجاج کر رہی تھی۔اس نے لڑنے کا فیصلہ کیا،اپنے لیے آواز اٹھانے کا مگر کس کے سامنے؟یحییٰ پیچھے کو ہوتا کرسی سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور اپنی سرد نظریں اس پر جما دیں۔

"تم شاید بھول رہی ہو کہ کس کے سامنے کھڑی ہو۔میں اس کمپنی کا مالک ہوں،یہاں کا بادشاہ ہوں اور بادشاہ کو اپنے فیصلوں کے لیے کسی عام ملازم کو صفائی نہیں دینی ہوتی۔"

آئمہ نے بے بسی سے اشمل کی طرف دیکھا کہ شاید وہ کچھ کہے مگر وہ صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھی سکون سے سب ہوتا دیکھ رہی تھی۔آئمہ کی رونی صورت دیکھ یحییٰ نے ماحول کو شانت کرنے اور تماشے کو ختم کرنے کے لیے اپنا لہجہ تھوڑا بدلا۔

"میں تمہارا کیریئر تباہ نہیں کرنا چاہتا آئمہ!اسی لیے میرے پاس ایک دوسری آفر ہے۔ہماری جو ٹیکسٹائل آؤٹ لیٹ کی نئی برانچ کھل رہی ہے،میں تمہیں وہاں اسسٹنٹ مینیجر کی جاب آفر کر رہا ہوں۔تمہاری سیلری بھی زیادہ ہو گی اور پوزیشن بھی بہتر۔اکاؤنٹس سے اس مہینے کا چیک لو اور جاؤ یہاں سے۔" وہ اس بار قدرے نرم مگر دوٹوک انداز میں بولا تھا۔اس کے علاوہ دراز سے ایک لیٹر نکال کر اس کی طرف سرکا دیا۔

"لیکن سر!میری پرفارمنس میں کیا کمی تھی؟میں نے تو کبھی ایک منٹ کی بھی دیر نہیں کی کسی

چیز میں۔" وہ آنکھوں میں امڈتی نمی کے ساتھ بولی تھی۔ اگر یحییٰ کو لگا تھا کہ وہ ایک نئی اور بہتر جاب کی آفر سے خوش ہو جائے گی تو غلط لگا تھا۔ آئمہ کو دکھ تھا کیونکہ اس کو ہتک محسوس ہوئی تھی، احساسِ زیاں کئی گنا زیادہ تھا۔

"مسئلہ پرفارمنس کا نہیں ہے، اب مسئلہ تمہاری پوزیشن کا ہے۔"

"لیکن سر! آپ ایک ناتجربہ کار لڑکی کے لیے مجھے نکال رہے ہیں۔" بالآخر شکوہ آ ہی گیا تھا۔

"سٹارلٹ کو تجربے کی ضرورت ہے، مجھے نہیں۔ مجھے اپنی سیکرٹری میں تجربہ نہیں بلکہ میری مرضی کے مطابق کام کرنے کی صلاحیت چاہیئے۔" نہ شکوے کی پرواہ تھی نہ التجاء کی۔

"مگر لیبر لاء کے مطابق آپ بغیر کسی نوٹس یا پیریڈ وارننگ کے کسی پرانے ملازم کو ایک سیکنڈ میں فارغ نہیں کر سکتے۔" اس نے آخری پتا پھینکا تو یحییٰ کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اس بلڈنگ میں داخل ہوتے ہوئے قانون باہر رکھ کر آیا جاتا ہے، یہاں صرف ایک ہی قانون چلتا ہے اور وہ ہے میرا فیصلہ اور میں اپنے فیصلے کے لیے کسی کو جواب دہ نہیں ہوں۔" وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے فرصت سے بیٹھ گیا۔ آئمہ نے بے بسی اور بیچارگی سے اسے دیکھا تھا، جیسے سر قلم ہونے سے پہلے کوئی قیدی سلطان کو دیکھا کرتا ہے، کہ شاید اس پر ترس آ جائے اور شاید اس کی سزا میں کمی کر دی جائے۔ مگر وقت کا سلطان ظالم تھا، اسے رحم کھانا نہیں آتا تھا۔ وہ انہیں

سپاٹ تاثرات کے ساتھ بیٹھا تھا۔اشمل محظوظ نظروں سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔اس کے تاثرات سے لگتا تھا کہ وہ انجوائے کر رہی ہے اور آئمہ کو اسی بات پر وہ زہر لگی۔اس کا بے بسی بھرا غصہ بجا تھا۔اگر کسی کو بنا وجہ کے سزا سنا دی جائے تو وہ یونہی متنفر ہو جاتا ہے۔آئمہ بھی ہوئی تھی مگر ایک بات کا آسرا تھا کہ دوسری جاب مل رہی تھی اسی لیے وہ منہ بسورتی وہاں سے باہر نکل آئی۔اس کے باہر نکلتے ہی شیشے کا بھاری دروازہ بند ہوا تو آفس میں گہرا سکوت چھا گیا۔یحییٰ نے ہاتھ میں پکڑا پین میز پر رکھا اور صوفے پر بیٹھی اشمل احسان کی طرف دیکھا۔اس کی گہری سیاہ آنکھوں میں موجود وہ کاٹ اب عجیب سے ٹھہراؤ میں بدل گئی تھی۔

"اب خوش ہو گی یقیناً؟" وہ بولا تو آواز قدرے نرم تھی۔وہ نرمی جو عموماً اس کے لہجے کا خاصہ نہیں ہوا کرتی تھی۔اشمل کے چہرے پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔اس نے پورے مان سے اپنا سر اثبات میں ہلایا تھا۔اس کے چہرے کا تفاخر بتا رہا تھا کہ اسے یقین تھا یحییٰ اس کی کوئی بات رد نہیں کرے گا اور تھا بھی کچھ ایسا ہی یحییٰ اس کی بات اب رد نہیں کر سکتا تھا۔

دوسری طرف آئمہ جب رونی صورت لیے آفس سے باہر نکلی تو سب ملازمین اس کی طرف متوجہ ہوئے۔اس کی شکل دیکھ کر کچھ کچھ اندازہ ہو ہی رہا تھا کہ بادشاہ کے دربار سے کس قسم کا فرمان لے کر آئی ہو گی اور پھر کچھ ہی دیر میں اس کے فائر کر دیے جانے کی خبر پوری بلڈنگ میں

پھیل گئی۔ وہ لوگ جو کچھ دیر پہلے اسے ترحم بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے اب ان کی نظروں میں طنز تھے۔ ارد گرد سے اسے مختلف آوازیں سنائی دے رہی تھیں جن کے الفاظ کچھ یوں تھے۔

"لو بھئی آ گیا اونٹ پہاڑ کے نیچے۔" کسی نے ہنستے ہوئے تالی ماری تھی۔

"کچھ دنوں پہلے جب ارحم ٹرمینیٹ ہوا تھا تو کتنی خوش ہو رہی تھی اور آج باجی خود ہی لپٹی جا چکی ہیں۔"

"خود کو بھی سبق مل گیا نا؟ چلی تھی یحییٰ سر کے سامنے نمبر بڑھانے۔" وہ اس نفرت کی وجہ کبھی جان نہیں پائی تھی۔ آئمہ تو اپنے کام سے کام رکھنے والی عام سی لڑکی تھی پھر یہ سب اس کے ساتھ ایسا ہونے پر اتنا خوش کیوں تھے؟ شاید یہ دنیا ایسی ہی تھی۔ دوسروں کی تکلیف پر خوشی منانا یہاں عام تھا۔ آئمہ اسی وقت رکی اور اپنے چہرے سے دکھ کو جھٹک دیا۔ اگلے ہی پل وہ اپنے بیگ سے یحییٰ کی طرف سے دیا گیا لیٹر نکال کر سب کے سامنے لہرا رہی تھی۔

"تم سب میرا مذاق اڑانے کے بجائے اپنے اپنے کام پر دھیان دو تو زیادہ بہتر ہو گا۔ سر نے مجھے فائر نہیں کیا، بلکہ ٹیکسٹائل آؤٹ لیٹ کی نئی برانچ میں 'اسسٹنٹ مینیجر' بنا کر بھیجا ہے۔" اس نے فخر سے گردن کڑا کر کہا تو پورے ہال میں جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا۔ سب کے منہ حیرت

سے کھلے کے کھلے رہ گئے۔سب ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے تھے کیونکہ سٹارلٹ کی تاریخ میں یہ پہلی بار ہوا تھا کہ یحییٰ جیسے پرفیکشنسٹ نے کسی کو بغیر کسی اضافی تجربے اور صلاحیت کے ایسی جاب آفر کی تھی اور شاید ایسا آخری بار بھی ہوا تھا۔

☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆

یونیورسٹی کا مین لاؤنج ہمیشہ کی طرح شور سے بھرا ہوا تھا۔مان کمیونیکیشن ڈیپارٹمنٹ کی چند لڑکیاں ایک میز کے گرد بیٹھیں کسی عام سے ٹاپک پر بحث کر رہی تھیں اور ساتھ ہی ساتھ ان کی ہلکی ہلکی کھلکھلاہٹیں بھی ابھرتی تھیں۔اس میز کے ایک کونے پر زرناب کمال زیدی بھی موجود تھی، مگر وہ وہاں ہو کر بھی وہاں نہیں تھی۔اس کا وجود ہمیشہ کی طرح اس کے مخصوص سکوت کے حصار میں بند تھا اور نظریں سامنے فضا میں کسی غیر مرئی نقطے پر جمی تھیں۔اسی میز پر اشمل احسان بھی موجود تھی۔ہمیشہ کی طرح معصوم مسکراہٹ سجائے، پرسکون سی بیٹھی تھی۔

"دوست ہمیشہ سکون کا باعث نہیں ہوتے، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ہم دوستوں کو بہت زیادہ آئڈیلائز کر لیتے ہیں۔" یکدم کسی کا جملہ اس کے کانوں تک پہنچا تو وہ چونکی۔وہ سب شاید دوستی سے جڑے کسی ٹاپک پر بحث لے آئے تھے۔وہ کبھی دھیان نہ دیتی اگر آواز اشمل کی نہ ہوتی۔

"ہمیں لگتا ہے کہ ہمارے دوست ہمارے لیے سکون کا باعث بنیں گے، مگر اکثر وہی لوگ

ہماری زندگی کا سب سے بڑا عذاب بن جاتے ہیں۔اور پھر پہلی ہی لغزش پر وہ ہماری روح کو ادھیڑنے میں دیر نہیں کرتے۔ایسے دوستوں سے تو اکیلے رہنا ہی بہتر ہے۔"

زرناب نے کاٹ دار نظریں اٹھا کر اسے دیکھا لیکن اشمل اس کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔

سب جانتے تھے کہ وہ کیا کہہ رہی تھی اور کس کے بارے میں کہہ رہی تھی۔زناب کچھ دیر یونہی اسے دیکھتی رہی اور پھر اسی کاٹ سے بولی جو اس وقت اس کی آنکھوں میں تھی۔

"بزدل لوگ اکثر اکیلے رہنے کا ہی بہانہ ڈھونڈتے ہیں اشمل! کیونکہ چیلنجز کا سامنا کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی۔"اس کی آواز کی ٹھنڈک ہال کی چھت سے ٹکرا کر واپس آ رہی تھی۔

اس کی بات پر میز پر بیٹھی لڑکیوں میں سرگوشیاں پھیل گئیں۔اشمل اب زرناب پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔اس کا چہرہ اہانت اور غصے سے سرخ پڑ گیا تھا۔سب لوگ بحث روکے اب انہیں دیکھ رہے تھے۔یکدم زرناب اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنا بیگ ٹیبل سے جھپٹ کر اٹھاتی پلٹ گئی۔ایک آخری نظر اس نے جو اشمل پر ڈالی تھی وہ اشمل بخوبی سمجھ گئی تھی۔اس کے جانے کے کچھ ہی دیر بعد وہ اس کے پیچھے گئی اور اوپر والے فلور پر پہنچی جہاں زرناب اس کی منتظر تھی۔اوپر کاریڈور بالکل خالی تھا۔زرناب تیزی سے چلتی ایسی کلاس میں داخل ہو گئی جہاں اس وقت کوئی نہیں تھا۔جیسے ہی اشمل اندر آئی زرناب تو جیسے اس پر پھٹ پڑی تھی۔

"یہ کیا کرنا چاہ رہی ہو تم؟" وہ دبا دبا سا چلائی تھی۔اس کی آواز دھیمی تھی مگر اس میں وہ زہر تھا جو کسی کو بھی جھلسانے کے لیے کافی تھا۔

"یہ سستہ ڈراما جو تم نے میرے نام کا رچایا ہوا ہے، آخر چاہتی کیا ہو تم؟"

"میں کیا چاہتی ہوں؟" اشمل بھی جواباً بپھر گئی تھی۔ سرخ و سپید چہرہ غصے سے تپ رہا تھا۔"یہ سوال مجھے تم سے پوچھنا چاہیئے زرناب کمال! سارا کیا دھرا تو تمہارا ہے۔" وہ بازو سینے پر لپیٹتی اس کے مقابل آ کھڑی ہوئی تھی۔زرناب نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔

"چچ! کتنی بیچاری ہو نا تم؟" وہ تاسف سے گردن ہلا رہی تھی۔اشمل اس کے انداز پر مزید کھول گئی۔

"وہ تم تھیں جس نے دوستی کا سودا کیا تھا۔دھوکہ دینے والی تم تھیں اور اب مجھ سے پوچھ رہی ہو کہ میں کیا چاہتی ہوں؟"

زرناب نے بے اختیار آنکھیں گھمائی تھیں۔اسے امید نہیں تھی کہ وہ اب تک ایسی ہو گی۔خود کو لاچار سمجھنے والی، لو سیلف اسٹیم کی شکار!

"دھوکہ؟ اشمل احسان تم پچھلے پانچ سالوں سے اس دھوکے کی آڑ میں خود کو مظلوم ثابت کرنے کی ناکام کوشش کر رہی ہو۔سچ تو یہ ہے کہ تمہیں صرف ہمدردی چاہیئے اور شروع سے چاہیئے

تھی۔ تمہاری احساسِ کمتری تمہیں اجازت ہی نہیں دیتی کہ تم اپنے پیروں پر کھڑی ہو سکو اور اپنی غلطیوں کو قبول کر سکو۔" وہ بولی تو بولتی ہی چلی گئی۔ لحاظ تو اس نے کبھی سیکھا ہی نہیں تھا اور جو اسے نیچا دکھائے وہ خود بھی منہ کے بل گرے گا ہی۔

"زرناب! اپنی زبان کو لگام دو۔" اس نے دانت کچکچائے، وہ شاید برا مان گئی تھی۔

"کیوں لگام دوں؟ سچ برا لگ رہا ہے؟" ڈھٹائی کی ہر حد تمام کرتے ہوئے وہ بولی۔

"تم یہ ماننے کو تیار ہی نہیں کہ غلطی تمہاری تھی حالانکہ سچ تو واضح ہے۔ لیکن اگر تم نے سچ مان لیا تو تم دنیا کی ہمدردیاں کیسے سمیٹو گی؟" وہ ایک کے بعد ایک کاری وار کر رہی تھی۔

"جو بھی تم نے اس وقت کہا تھا یا جو بھی تم آج کہہ رہی ہو وہ سب جھوٹ ہے زرناب!" وہ ضبط کی انتہا کو چھوتے ہوئے بولی تھی۔

"اچھا؟ تو سچ کیا ہے تم ہی بتا دو؟" زرناب سینے پر ہاتھ لپیٹ کر کھڑی ہو گئی۔

"سچ یہ ہے کہ تم ہمیشہ سے ہی اتنی مغرور اور بد تمیز تھیں۔ تمہیں دوسروں کو نیچا دکھانے میں مزہ آتا ہے۔ تم نے اس وقت بھی یہی کیا تھا اور آج بھی یہی کر رہی ہو۔" اشمل پاگلوں کی طرح اس پر الزامات لگانے پر تلی ہوئی تھی۔ جواب تو کوئی تھا نہیں اس کے پاس، اب یہی کرنا تھا اس نے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"مجھے افسوس ہے اشمل! افسوس ہے تم پر اور اس وقت پر جو میں نے تم پر ضائع کیا۔ کاش میں تمہیں جانتی ہی نا ہوتی۔ میں چاہے جتنی بھی مغرور ہوں، جتنی بھی بد تمیز ہوں، کم از کم تمہاری طرح جھوٹی معصومیت کا نقاب اوڑھ کر ہمدردیوں کی بھیک نہیں مانگتی لوگوں سے۔" زرناب نے آخری زہریلا وار کیا اور رخ موڑ کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ دروازے تک پہنچ کر وہ رکی اور گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔

"میرے نام پر تماشہ لگانا بند کروا اشمل! ورنہ جب زرناب کمال اپنے اصل روپ میں آتی ہے تو سامنے والے کو اس کی اوقات سیکنڈوں میں یاد دلا دیتی ہے۔" وہ ایک کاٹ دار نظر اس پر ڈالتی باہر کو بڑھ گئی۔ اشمل پیچھے زلزلوں کی زد میں گھری کھڑی تھی۔ چہرہ اب تک سرخ تھا، جس کی سرخی میں اہانت اور شرمندگی کے ساتھ ساتھ غصہ بھی شامل تھا۔

☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆

وقت کی رفتار کتنی ہی تیز کیوں نہ ہو، کچھ یادیں اور تلخیاں مٹی کی تہوں کے نیچے اتنی مضبوطی سے جکڑی ہوتی ہیں کہ حال کا کوئی بھی ہنگامہ انہیں مٹا نہیں پاتا۔ ذہن جب حال کے رشتوں کے جھوٹ سے تھکنے لگتا ہے، تو وہ خود بخود ماضی کے ان بند کواڑوں کو دھکیل کر اس پرانے مقتل میں جا کھڑا ہوتا ہے، جہاں زخم ابھی بالکل تازہ تھے اور مہروں کی پہلی چال ابھی چلی جا رہی

تھی۔ماضی کے دریچے کھلے تو پانچ سال پرانا منظر بالکل واضح ہو گیا۔کالج لائف کا وہ تپتا ہوا مئی کا مہینہ تھا۔ مگر کیمپس کے اس پرانے، گھنے برگد کے پیڑ کے نیچے فضا بالکل الگ تھی۔وہاں نہ تو کوئی اکھڑی ہوئی انا تھی نہ ہی کوئی تیکھا طنز۔

"زرناب خدا کے لیے اس کینٹین کے سموسے کو دیکھو۔دن بدن اس کا سائز چھوٹا ہوتا جا رہا ہے اور قیمت آسمان کو چھو رہی ہے۔"اشمل نے منہ بناتے ہوئے ہاتھ میں پکڑا سموسہ لہرایا۔

"مجھے پورا یقین ہے، کینٹین والا فنانس کے پراجیکٹ میں ہم سے زیادہ مخلص ہے۔"

"کم از کم اس کا یہ فنانس پراجیکٹ تمہارے اس ڈریسنگ کے بجٹ سے تو بہتر ہے اشمل!"

زرناب نے شرارت سے اس کے دوپٹے کو کونا کھینچا،وہ تو اشمل کو سمجھ نہیں آئی کے اس کے دوپٹے سے ہاتھ صاف کیے گئے تھے۔

"تم جو ہر دوسرے دن نیا کلپ اور میچنگ پین لے آتی ہو اور پھر اسے گراؤنڈ میں کہیں گرا کر رو رہی ہوتی ہو، کینٹین والا تمہارے اس نقصان سے زیادہ منافع کما رہا ہو گا۔"زرناب پیچھے کو ہوتی آرام سے بیٹھ گئی تھی۔اشمل نے ایک خفگی بھری نظر اس پر ڈالی اور منہ پھلا لیا۔ابھی کچھ ہی دیر گزری تھی کہ اشمل کو کچھ یاد آیا اور وہ فوراً اس کی طرف مڑی۔

"ارے یار! میں تمہیں کچھ بتا رہی تھی۔ تمہیں پتا ہے کل جب میں لائبریری کے باہر کھڑی

تمہارا انتظار کر رہی تھی تو وہاں کوئی آیا تھا؟"

"کون؟" زرناب لاپروائی سے بولی، انداز سے لگتا تھا جیسے اسے اس بات میں رتی برابر بھی دلچسپی نہیں تھی۔

"ارے وہ اذیان! اس نے مجھ سے ہماری نئی کتاب کی اسائنمنٹ کے بارے میں پوچھا تھا۔" اشمل کے منہ سے نکلنے والا نام سن کر زرناب فوراً چونکی اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"اس کے بات کرنے کا انداز، وہ لہجہ، سچ کہوں تو وہ کوئی عام لڑکا نہیں لگتا۔۔۔" وہ زرناب کے تاثرات دیکھے بنا اپنی ہی دھن میں کہے جا رہی تھی، جب زرناب کو بیچ میں اس کی بات کاٹنی پڑی۔

"سینیئرز کا کام ہی جونیئرز کو اسائنمنٹس کے بہانے تنگ کرنا ہوتا ہے، اس میں کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے۔" زرناب نے اپنے تاثرات کو نارمل کرتے ہوئے کہا۔ اشمل ایک پل کو رکی اور دوبارہ گویا ہوئی۔

"بات صرف یہاں تک نہیں ہے نا، بات اس سے آگے بڑھ چکی ہے۔ اصل میں اس نے مجھے کل رات میسج کیا تھا انسٹاگرام پر۔" وہ زرناب کی طرف جھک کر رازدارانہ انداز میں بولی تھی۔ زرناب کی آنکھیں مارے حیرت کے پوری کی پوری کھل گئی تھیں۔

"ہاں! اس نے مجھے میسج کیا، ہم نے کافی دیر تک بات کی تھی۔ اس نے مجھ سے میری لائف کے

بارے میں بھی پوچھا، وہ بہت ہی زیادہ تمیز دار اور سلجھے ہوئے انداز میں بات کر رہا تھا۔" وہ بولتی چلی جا رہی تھی۔ زرناب نے دیکھا اس کی آنکھوں میں ایک انوکھی الوہی سی چمک تھی مگر وہ چمک محبت کی نہیں تھی نہ ہی پسند کی تھی وہ کچھ اور تھی۔ کچھ اور جیسے چاہے جانے کی ہوتی ہے، جیسے قدر کیے جانے کی ہوتی ہے۔ زرناب اب بھی متحیر تھی۔ اس کے چہرے پر کچھ دیر پہلی وہ پر سکون مسکراہٹ کہیں غائب ہو گئی تھی۔ اس کی گہری بھوری آنکھیں یکدم سنجیدہ ہو گئیں۔

"بس کرو اشمل! آگے ایک لفظ بھی مت بولنا۔" اس نے نہایت درشتی سے اس کی بات کاٹی تھی۔ اس کا لہجہ یکدم کسی ملکہ جیسا ہو گیا جو دور سے بھی خطرہ بھانپ لیتی ہو اور اسے بھانپ لینے کے بعد اپنے تحفظ کے اقدامات کرنا جانتی ہو۔

"کیوں؟ کیا ہوا؟" اشمل نے ماتھے پر بل ڈالے۔

"اچھے سے بات کرنا اس جیسے لڑکوں کا سب سے بڑا ہتھیار ہوتا ہے اشمل!" وہ آگے کو جھکی دو ٹوک انداز میں وارننگ دے رہی تھی۔

"تم اتنی نادان کیسے ہو سکتی ہو؟ پورا کیمپس جانتا ہے کہ وہ کس قسم کا لڑکا ہے۔ آج کے بعد تم اسے میسج نہیں کرو گی، بلکہ اسے ابھی بلاک کرو میرے سامنے۔"

"لیکن وہ ایسا نہیں ہے۔ تم۔۔۔۔۔"

"اشمل پلیز! بلاک کرو اسے۔ میں تمہیں اس جیسے گرے ہوئے لڑکے کی وجہ سے بربادی کی طرف بڑھتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی۔ تم اس سے کسی قسم کا کوئی رابطہ کبھی نہیں رکھو گی۔"

زرناب نے اس قدر پکے اور مخلص مان سے کہا تھا کہ اشمل کے پاس بحث کرنے کو کچھ بچا ہی نہیں۔ اس نے بجھتے ہوئے چہرے کے ساتھ سر آہستگی سے ہلا تو دیا، مگر اس کی آنکھوں میں ناگواری ابھری تھی۔ اور یہی وہ وقت تھا جب ان کے رشتے میں پہلی دیوار اذیان کی وجہ سے پڑنے والی تھی۔ ملکہِ خاک اپنا فرض مخلصی سے پورا کر کے مطمئن ہو چکی تھی مگر تقدیر پسِ دیوار کھڑی ان کے اس بکھرتے ہوئے سراب پر مسکرائی تھی۔ اگر اسے پتا ہوتا کہ اس کی مخلصی اس کے اپنے ہی گلے کا طوق بن جائے گی تو وہ کبھی اسے جان بوجھ کر اپنے گلے میں نہ لٹکاتی۔

"زرناب کمال؟" اسے اپنے نام کی پکار سنائی دی تو وہ حال میں واپس آئی۔ ارد گرد پھیلا سبزہ زار کلاس روم میں بدل گیا اور ساتھ بینچ پر بیٹھی لڑکی کہیں غائب ہو گئی۔ پروفیسر انیس سامنے کھڑے اسے گھور رہے تھے اور ان کے ساتھ ہی پوری کلاس بھی مڑ مڑ کر اسے دیکھ رہی تھی۔ شاید اسے پہلے بھی کئی بار آواز دی جا چکی تھی مگر وہ خیالوں کی آماجگاہ میں اس قدر کھو چکی تھی کہ سن ہی نہ پائی تھی۔

"جی سر؟" اس نے فوراً سر اٹھا کر پروفیسر کو دیکھا۔

"دھیان کیوں نہیں دے رہیں آپ؟ میں پچھلے پانچ منٹ سے نوٹ کر رہا ہوں، آپ جسمانی طور پر یہاں ہیں مگر دماغ کہیں اور ہے آپ کا۔"

اس کا سر جھک گیا تھا۔ اس نے جھکے سر کے ساتھ سوری کہا۔

"کلاس کے بعد میرے آفس آیئے گا آپ۔"

وہ سر ہلا کر رہ گئی تھی۔ سر انیس یونیورسٹی کے مہربان پروفیسرز میں سے ایک تھے۔ کلاس ختم ہوئی تو وہ بھاری قدموں کے ساتھ ان کے آفس چلی گئی۔ دروازے پر دستک دے کر اندر داخل ہوئی تو پروفیسر کو عینک ناک پر ٹکائے، بھاری کتابوں کے پیچھے اندر بیٹھے پایا۔ پروفیسر نے خوشدلی سے بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔ وہ پھیکا سا مسکرائی اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

"میں نے تمہیں یہاں ڈانٹنے کے لیے ہرگز نہیں بلایا۔" پروفیسر انیس نے چند لمحے اس کے سپاٹ اور قدرے الرٹ سے چہرے کو دیکھا اور پھر گہری سانس بھرتے گویا ہوئے۔

"تم نے کبھی اس قدیم یونانی ملاح کی کہانی سنی ہے زرناب؟ جو سمندر کے سب سے خطرناک اور بپھرے ہوئے طوفانوں سے اپنی کشتی کو ہنستے کھیلتے نکال لاتا تھا، مگر ایک بار جب سمندر بالکل پر سکون اور ساکت ہو گیا تو وہ خوف سے پاگل ہو کر لہروں میں کود گیا۔" ان کی نرم مگر پراسرار سی آواز گونجی تھی۔ زرناب نے چونک کر نظر اٹھائی۔

"وہ ملاح طوفان سے لڑنا جانتا تھا، مگر وہ اس خاموشی، اس گہرے سکوت کا بوجھ برداشت نہیں کر پایا، جو طوفانوں کے آنے سے پہلے فضا پر طاری ہو جاتا ہے۔ اسے لگتا تھا کہ یہ ٹھہرا ہوا پانی اسے اندر ہی اندر نگل رہا ہے۔"

زرناب سب کچھ بھولے بیٹھی، پوری توجہ سے ان کی بات سن رہی تھی۔ وہ خاموش ہوئے تو زرناب ان کے دوبارہ بولنے کا انتظار کرنے لگی۔ پروفیسر انیس نے جھک کر دونوں ہاتھ میز پر رکھے اور آگے کو ہو بیٹھے۔

"تم سوچ رہی ہو گی کہ اس بوڑھے ملاح کی کہانی سے تمہاری ذات کا کیا تعلق ہے۔" وہ اس کو دیکھتے مخلص لہجے میں بولے تھے۔ زرناب نے آہستگی سے سر اثبات میں ہلایا۔ وہ یقیناً یہی سوچ رہی تھی۔

"تعلق ہے اور بہت گہرا ہے۔ تم اس ملاح جیسی ہو۔ تم زندگی کی بڑی سے بڑی مشکل، پڑھائی کا دباؤ، گھریلو مسائل جیسے طوفانوں سے ٹکرانا بہت اچھے سے جانتی ہو، مگر پچھلے کچھ دنوں سے تمہاری آنکھوں میں طوفانوں سے لڑنے والا وہ حوصلہ نہیں، بلکہ اس ملاح جیسا دبا ہوا خوف اور وحشت دکھائی دے رہی ہے۔ تم کسی ایسے پوشیدہ خطرے کے سکوت میں گھری ہوئی ہو جو بظاہر سامنے نہیں آ رہا، مگر اندر ہی اندر تمہارے حواس کو مفلوج کر رہا ہے۔ تمہارا ذہن کائنات کے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

کسی اندھیرے کونے میں قید ہے۔" وہ خاموش ہو چکے تھے اور اب کرسی پر پیچھے کو ٹیک لگائے اس کے کچھ بولنے کے منتظر تھے۔

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں سر؟" کچھ دیر کے بعد وہ تذبذب سے بولی۔

"کیا تمہیں کوئی پریشانی ہے؟ مجھے صاف صاف بتاؤ تم اپنے گرد کسی ایسے ہی ٹھہرے ہوئے طوفان کا سکوت کیوں جھیل رہی ہو جو تمہیں کچھ اور کرنے نہیں دے رہا؟"

وہ جواباً خاموش رہ گئی۔ اس کا دل ایک پل کو تیزی سے دھڑکا تھا۔ چند دن پہلے ہوا واقع اپنی پوری جزئیات سے اس کی آنکھوں کے آگے گھوم گیا۔ اس کا خالی کلاس میں بند ہو جانا، وہ تیز رفتار گاڑی جو اسے کچلنے لگی تھی۔ اس نے بے اختیار جھرجھری لی اور اپنے تاثرات پر قابو پاتی بولی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں سر! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" وہ زبردستی مسکراتے ہوئے، مؤدب سے انداز میں بولی۔

"میری زندگی میں ایسا کوئی سکوت یا طوفان نہیں ہے جو میرے اعصاب پر حاوی ہو۔" اس نے اپنی آواز کو حتی المقدور بے نیاز اور پر اعتماد رکھا تھا۔

"میرے بھائی کی شادی کی تیاریاں چل رہی ہیں، اسی وجہ سے روٹین تھوڑی ڈسٹرب تھی اور دھیان بٹ گیا تھا۔ آپ میرے اسائنمنٹ کے لیے فکر مند نہ ہوں۔ میں کل تک اپنا اگلا پراجیکٹ

سو فیصد پرفیکشن کے ساتھ آپ کے میز پر لا کر رکھ دوں گی۔ زرناب کمال کسی ملاح کی طرح سمندر کے سکوت سے ڈر کر لہروں میں کودنے والی کمزور لڑکی نہیں ہے۔"اس نے گردن کڑا کر کہا تو پروفیسر انیس کے لبوں پر ایک مان بھری بوڑھی مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ جانتے تھے کہ سامنے بیٹھی لڑکی ٹوٹ سکتی تھی مگر کسی کے سامنے اپنی کمزوری کا تماشہ نہیں لگا سکتی تھی۔

زرناب نے احترام سے سر جھکایا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ اپنا بیگ سنبھال کر وہ باوقار قدموں سے چلتی باہر نکل آئی تھی۔ جیسے ہی اس کے پیچھے پروفیسر انیس کے آفس کا دروازہ بند ہوا، اس کا وہ مصنوعی، پر اعتماد نقاب ایک سیکنڈ میں اتر گیا۔ اس نے دیوار سے ٹیک لگا لی اور ایک طویل لرزتی ہوئی سانس لی۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ وہ پروفیسر کے سامنے تو جھوٹ بول آئی تھی مگر اس کا اپنا لاشعور اب ان ہولناک واقعات کے مہیب سکوت میں بری طرح جکڑا جا رہا تھا۔

اس کی آنکھوں کے سامنے وہ سیاہ، اندھیری رات گھوم گئی۔ اس رات جب یہ سب شروع ہوا تھا۔ حال کی فضا یکدم بدلی اور ارد گرد اندھیرا چھا گیا۔ زرناب اس وقت ہاسٹل کے باہر موجود تھی، سڑک بالکل سنسان پڑی تھی۔ وہ سیدھی چلتی ابھی ہاسٹل کے دروازے سے چند قدم کے فاصلے پر تھی جب اسے اپنے پیچھے غیر معمولی آہٹ سنائی دی۔ وہ آہستگی سے مڑی اور پھر رک گئی۔ سڑک کے اختتام پر جہاں موڑ مڑتا تھا، ہیڈ لائٹس کی روشنی تھی، جیسے دو چمکتی آنکھیں دور

سے اسے دیکھ رہی ہوں۔اندھیرے کے باعث گاڑی خود نظر نہیں آتی تھی سوائے اس کی دو چمکتی آنکھوں کے۔زرناب کچھ لمحے یونہی کھڑی اسے دیکھتی رہی، نجانے کیا احساس تھا کہ اس کے قدم چلنے سے انکاری ہو گئے تھے؟ گاڑی کی ہیڈ لائٹس بند ہوئیں اور ایک بار پھر جل اٹھیں۔ یہ تبھی تھا کہ وہ گاڑی ایک ہولناک آواز کے ساتھ سٹارٹ ہوئی اور اپنی پوری رفتار سے اس کی طرف بڑھنے لگی۔اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھ پاتی، گاڑی اپنی رفتار بڑھاتی ہوئی اس کے قریب آچکی تھی۔گاڑی کے ٹائروں کی سڑک پر رگڑ کھانے کی آواز فضا میں گونجتی ہولناک سکوت کو توڑ رہی تھی۔گاڑی کسی جلاد کی طرح اس کی طرف بڑھ رہی تھی، جیسے اسے کچل ڈالنے کے درپہ ہو۔زرناب کا پورا وجود کسی برف کی مانند جم گیا تھا۔وہ طوفانوں سے لڑ جانے والی لڑکی تھی مگر آج موت اس کے بالکل سامنے تھے تو وہ ہل بھی نہیں پا رہی تھی۔اس نے وہاں سے ہٹنے کی کوشش کی مگر جسم انکاری ہو گیا۔اس سے پہلے کے وہ گاڑی اسے کچل دیتی کسی نے اس کا بازو دبوچا اور اسے اپنی طرف کھینچتے ہوئے سڑک کے کنارے بنے فٹ پاتھ پر دھکیل دیا۔اگلے ہی سیکنڈ وہ گاڑی باؤنڈری وال کے لوہے کے جنگلے کو بری طرح مارتے ہوئے ایک زوردار دھماکے کے ساتھ گھومی اور بنار کے اندھیری سڑک پر دوڑ گئی۔لوہے کے ٹوٹنے اور شیشے کے بکھرنے کی آواز پوری سڑک پر گونجی تھی۔زرناب فٹ پاتھ پر گری پڑی تھی، پورا جسم کانپ رہا تھا، اس کی

سانسیں حلق میں پھنس چکی تھیں، آنکھیں خوف سے کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔سیاہ کپڑے مٹی سے آلودہ ہو گئے تھے اور سرخ رومال کہیں دور جا گرا تھا۔اس کی ہتھیلیوں اور گھٹنوں پر رگڑ کے نشان آ چکے تھے مگر وہ بچ گئی تھی۔اسے خوف کے مارے یہ بھی یاد نہیں رہا کہ اسے کسی نے دھکیلا تھا،اس کے بازو پر وہ لمس اب بھی تپ رہا تھا مگر سر کا درد اس سے کہیں گنا زیادہ تھا اسی لیے وہ محسوس نہ کر پائی۔ہاسٹل کے گارڈز اور لڑکیاں دھماکے کی آواز سن کر باہر بھاگی آ رہی تھیں۔زرناب کمال اس بکھرے ہوئے شیشے اور مٹی کے درمیان بیٹھی اندھیرے کو تک رہی تھی،دماغ بالکل سن ہو چکا تھا۔لڑکیوں میں سب سے پہلے آنے والی رھف تھی۔اس نے زرناب کو تھام کر اٹھایا تھا۔

"تم ٹھیک ہو؟" وہ فکر مندی سے پوچھ رہی تھی۔زرناب نے کوئی جواب نہ دیا۔وہ لوگ اب اندر کی طرف بڑھ رہے تھے۔اور گارڈز ارد گرد دیکھتے صورتحال کا جائزہ لینے میں مصروف تھے۔

سب کچھ نارمل ہو جانے کے بعد جب سب واپس اپنی اپنی جگہوں پر چلے گئے تو سڑک کے کنارے سے ایک ہیولہ نمودار ہوا۔خالی سڑک میں سٹریٹ پولز کی مدھم روشنی کے سوا اور کوئی روشنی نہیں تھی،اسی زرد روشنی کے نیچے،فٹ پاتھ کی مٹی پر زرناب کا رومال پڑا تھا،سرخ ریشمی رومال۔جو اس نے کچھ دیر پہلے سر پر باندھ رکھا تھا،لیکن اب وہ دھول مٹی سے اٹا،سڑک پر پڑا

تھا۔وہ ہیولہ ایک لمبے قد کاٹھ کا حامل، سر سے پاؤں تک سیاہ لباس میں ملبوس تھا۔وہ بھاری قدم دھرتا رومال کی طرف بڑھااور جھک کر اپنی انگلوں کی مدد سے اسے اٹھالیا۔رومال کو مٹھی میں بھینچ کر اس نے گردن پیچھے پھینکی اور ایک نظر ہاسٹل کی عمارت پر ڈالی۔وہ شاید مسکرایا تھا،اور پھر وہ پلٹااور رات کے اس اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

بات یہاں پر ختم نہیں ہوئی تھی،اس کار والے حادثے کے تقریباً دو دن بعد یونیورسٹی کی ایک سنسان راہداری میں اس کے ساتھ ایک ہولناک واقع پیش آیا تھا۔وہ اس وقت اپنا ایک پرانہ پراجیکٹ لینے وہاں گئی تھی،جب کسی نے زور سے اسے دھکا دیا اور وہ اندر کی طرف گری۔اس سے پہلے کے وہ منہ کے بل گرتی اس نے قریب موجود کرسی کو جھٹ سے تھاما تھا۔گرنے سے تو وہ بچ گئی مگر جب تک وہ مڑی کسی نے سرعت سے دروازہ بند کر کے باہر سے بند کر دیا تھا۔اس کے پاس حیران ہونے کا وقت ہوتا تو وہ ہو جاتی مگر فی الحال وہ پریشان ہو گئی تھی۔اس نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی مگر بے سود۔دروازہ باہر سے لاک ہو چکا تھا۔اس کا دل چاہا اس وقت کوئی اس کے سامنے ہو اور وہ سر پھاڑ کر رکھ دے مگر اس وقت وہ اکیلی تھی۔وہ سر تھامتی قریبی کرسی پر بیٹھ گئی۔یوں کسی کو کلاس میں بند کرنا عام بات تھی یہاں،اس نے بھی اسے عام ہی لیا،لیکن تبھی اسے وہ کار یاد آئی،اسے لگا جیسے وہی کار اور اس کی وہی چمکتی آنکھیں اسے یہاں بھی دیکھ رہی

ہوں۔اس کا حلق اس سوچ سے ہی خشک ہوا تھا۔وہ عموماً خوفزدہ نہیں ہوا کرتی تھی،نہ ہی سر پر سوار کرنے والی لڑکی تھی، مگر اس بار معاملہ عجیب تھا۔وہ الٹا تھا۔زرناب نے کچھ دیر وہیں بیٹھ کر انتظار کیا مگر کوئی دروازہ کھولنے نہیں آیا۔وہ ایک گہری سانس بھرتی اٹھی اور پوری کلاس کا جائزہ لینے لگی۔اس نے ایک دو بار دروازہ بھی بجایا تھا اور پھر اسے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ایسی آہٹ جیسے کوئی آہستگی سے اس طرف آرہا ہے اور پھر دروادے کا ہینڈل ہلکا سا ہلا۔زرناب نے ایک سکھ کا سانس خارج کیا۔اسے لگا کوئی اسے بچانے آیا ہے اور اب دروازہ کھل جائے گا مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔قدموں کی آواز ایک بار پھر ابھری مگر اس بار وہ دور جا رہی تھی۔زرناب یکدم ہوش میں آتی چلائی۔

"دروازہ کھولو۔باہر کون ہے؟ایکسکیوزمی؟"اس نے آواز دی مگر کوئی جواب نہیں آیا۔اس نے دروازہ بھی بجایا مگر جواب ایک بار پھر ندارد۔اس کو حیرت ہوئی تھی۔کوئی آکر چلا گیا تھا؟

کچھ دیر تذبذب سے ادھر ادھر دیکھنے کے بعد وہ ایک کھڑکی کی طرف بڑھی تھی مگر اس کی بد قسمتی یا کیا کہ کھڑکی بھی باہر سے بند تھی۔اس نے ایک ایک کر کے ساری کھڑکیاں چیک کر لیں مگر سب کی سب باہر سے لاکڈ تھیں۔اس کا سر پھٹ رہا تھا،شدید غصے کے باعث۔بالآخر اس نے تھک کر ایک بھاری سانس فضا کے سپرد کی،کلاس کے کونے میں اسے ایک راڈ پڑا دکھائی دیا

تھا۔اس کی آنکھیں چمکیں، وہ چمک جو کسی بڑے مسئلے کا حل مل جانے پر ملکہ کی آنکھوں میں در آیا کرتی ہے اور اگلے ہی پل وہ اس کی طرف بڑھی تھی۔ہاتھ میں بھاری راڈ لیے وہ کھڑکی تک آئی اور ایک زوردار ضرب اس پر ماری۔اگلے ہی پل اونچی کھڑکی کا شیشہ چکنا چور ہو کر گرا تھا۔وہ ایک جھٹکے سے پیچھے ہوئی۔چند لمحوں کا کھیل تھا اور وہ ایک بار پھر باہر تھی۔اس نے سوچ لیا تھا کہ اگر یونیورسٹی کی انتظامیہ کچھ کہے گی تو وہ الٹا ان پر چڑھ دوڑے گی۔کوئی کیسے اسے خالی کلاس میں اتنی دیر کے لیے بند کر سکتا ہے؟کسی کو یہ کرتے ہوئے روکا کیوں نہیں گیا تھا؟اور جو وہ کب سے دروازہ بجا رہی تھی تو کوئی کھولنے کیوں نہیں آیا؟اب اس کے پاس کوئی اور راستہ نہیں تھا نہ ہی وہ پوری رات یہاں گزار سکتی تھی۔یہ تو صرف شیشہ تھا،اگر اس وقت اس کے سامنے کوئی بھی ہوتا تو وہ اس کا سر یقیناً پھاڑ دیتی۔

☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆

وہ آدھے گھنٹے سے ان کشادہ سڑکوں پر لگاتار دوڑ رہا تھا۔ہلکی دھوپ میں اس کی سنہری آنکھیں جگنوؤں کی طرح چمک رہی تھیں۔موسم اتنا گرم نہیں تھا مگر پھر بھی وہ پسینے سے بھیگ چکا تھا۔وہ پچھلے پتا نہیں کتنے گھنٹوں سے اپنے ہی اندر کے کسی شور سے بھاگنے کی کوشش میں تھا، مگر اس بھاگ دوڑ نے صرف اس کے جسم کو تھکا دیا تھا۔بھاگتے بھاگتے اس کی سانسیں پھول چکی تھیں۔

بالآخر وہ ہار مان کر سڑک کے کنارے بنے ایک سنسان پارک کے ایک بینچ پر بیٹھ گیا۔اس نے دونوں کہنیاں، گھٹنوں پر رکھیں اور سر جھکائے ہانپنے لگا۔چند لمحوں بعد اس نے سر اٹھایا اور ایک لمحے کو ساکت ہوا۔سامنے والے بینچ پر دو لوگ بیٹھے تھے۔ارد گرد کی دنیا سے تھوڑے دھندلے اور بے رنگ۔ایسے جیسے وہ دونوں حال کا حصہ ہی نہیں تھے۔ان میں سے ایک وہ خود تھا، ہادی یونس! اس کے ماضی کا روپ! جو آج کے ہادی سے کہیں زیادہ مطمئن اور خوش تھا۔حال کے ہادی نے ایک تھکن سے بھرپور سانس فضا کے سپرد کی تھی۔

"ہادی! ایک بات تو بتائیں۔آپ میرے بارے میں کیا سوچتے ہیں؟" سامنے بینچ پر بیٹھی سبز آنکھوں والی لڑکی اپنے ساتھ بیٹھے سنہری آنکھوں والے لڑکے سے پوچھ رہی تھی۔لڑکی کے چہرے پر کسی چمکتے چاند کی سی روشنی تھی تو لڑکے کی آنکھیں بھی جگنوؤں کی روشنی کو مات دیتی تھیں۔وہ چپ چاپ سپاٹ تاثرات لیے انہیں دیکھے گیا۔وہ فیروزی رنگ کی قمیض کے ساتھ چوڑی دار پاجامہ اور ہم رنگ دوپٹہ زیب تن کیے ہوئے تھی۔اس کے معصومیت سے پوچھے گئے سوال پر ہادی نے گردن موڑ کر اسے دیکھا اور اس کے ہاتھ سے پانی کی بوتل لی۔

"میں تمہیں سوچتا ہی نہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا اور ڈھکن کھول کر بوتل منہ سے لگا لی۔لڑکی نے آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھا مگر برا نہیں منایا۔

"مجھے پتا ہے آپ یہی سوچتے ہیں کہ اتنی پیاری لڑکی مجھے کیسے مل گئی؟اور اگر میں نہ ہوتی تو آپ کا کیا ہوتا؟اور مجھے یہ بھی پتا ہے کہ آپ جو روزرات کو نفل پڑھتے ہیں وہ بھی اسی لیے پڑھتے ہیں۔"اس نے وہ سب بتادیا جس کی وہ امید رکھتی تھی۔اس کے مان اور شرارت سے کہنے پر ساتھ بیٹھا لڑکا سر جھکا کر ہلکا سا ہنسا تھا۔حال میں موجود ہادی اس منظر کی تاب نہ لاتے ہوئے اٹھا اور بائیں طرف مڑ کر قدم اٹھانے لگا۔ماضی وہیں پیچھے بینچ پر رہ گیا تھا، مگر وہ جانتا تھا کہ کل جب وہ یہاں آئے گا تو وہ دونوں پھر اسے یہیں ملیں گے۔وہ انہیں ایک بار پھر پیچھے چھوڑ کر آیا تھا مگر آگے؟آگے کیا تھا؟آگے بھی تو وہی ماضی تھا۔اس نے نظریں اٹھا کر سامنے دیکھا۔سامنے سے وہی دو لوگ چل کر آرہے تھے۔وہ دونوں جو کبھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے تھے۔ہمیشہ کہیں انہیں راستوں پر وہ اسے ملا کرتے تھے اور وہ جان بوجھ کر انہیں راستوں سے گزرا کرتا تھا۔

"آپ کو چاہیے تھا کہ آپ انہیں سنتے ہی نا، نظر انداز کر دیتے تو بات اتنی نہ بگڑتی۔"وہ اب اس کو کسی بات پر ڈانٹ رہی تھی اور وہ سر جھکا کر مسکراتے ہوئے سن رہا تھا۔وہ بہت زیادہ بولتی تھی اور وہ چپ کر کے سنتا تھا۔پرفیکٹ میچ! وہ دونوں اس کے ساتھ سے گزر گئے مگر وہ رکا نہیں، نہ ہی اس نے ماضی کے ان لمحوں کو روکنے کی کوشش کی تھی۔بس جو گزر گیا سو گزر گیا۔اس نے مڑ کر دوسری بار ان کو نہیں دیکھا تھا۔اس کے خیال میں ہادی یونس پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا کرتا تھا،

وہ آگے کو سفر طے کرتا تھا، مگر کیا سچ میں؟ اگر ہاں تو وہ یہاں کیا کر رہا تھا؟

☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆

سفید محل کا وہ پر تعیش اور وسیع ماسٹر بیڈ روم اس وقت مکمل اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ باہر چاند کی مدھم روشنی کھڑکی پہ لگے بھاری پردوں کی وجہ سے اندر نہیں آسکتی تھی، کمرے کی فضا بھی حد درجہ بوجھل اور سرد تھی۔ ایک طرف کو رکھے بڑے سے بیڈ پر لیٹا وجود بے چینی میں لگتا تھا۔ ماتھے پر شکن ابھری اور ایک کراہ منہ سے نکلی۔ اس کی گہری اور پر سکون رہنے والی آنکھیں بند تھیں مگر ان پردوں کے پیچھے شاید کوئی بہت پرانا اور بھیانک منظر رقص کر رہا تھا۔ اس کے ماتھے پر پسینے کی باریک بوندیں نمودار ہو چکی تھیں اور اس کی سانسیں آہستہ آہستہ اکھڑ رہی تھی۔ اس نے نیند میں ہی مٹھیاں اتنی زور سے بھینچیں کے اس کی انگلیوں کے پور سفید پڑ گئے۔ اس کا دم گھٹنے لگا جیسے کوئی غیر مرئی ہاتھ اس کا گلا دبانے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس کے لبوں سے ایک دبی ہوئی، گھٹی گھٹی پکار نکلی اور وہ ایک دم جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔ اس نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بیڈ سائیڈ ٹیبل پر پڑا لیمپ جلا دیا، ہلکی زرد روشنی پورے کمرے میں پھیل گئی تھی۔ اس کا پسینے سے تر چہرہ واضح ہوا، اس کی سیاہ آنکھوں میں وحشت تھی۔ اس نے ماتھے پر آیا پسینہ آستین سے پونچھا اور چند لمحے یونہی بیٹھے بیٹھے سانسوں کو بحال کرنے کی کوشش کی۔ یہ برا خواب اس کے لیے نیا

نہیں تھا، یہ اس کی روح کا وہ پوشیدہ بوجھ تھا جو ہر رات اسے یاد دلاتا تھا کہ وہ ایک تاریک رات کے اندھیرے منظر میں قید ہو چکا تھا۔اس نے بیڈ سائیڈ ٹیبل سے جگ اٹھایا اور پانی کا گلاس بھرا۔غٹا غٹ پانی پینے کے بعد تنفس تھوڑا بحال ہو چکا تھا، مگر سانسیں اب بھی اتھل پتھل تھیں۔تھوڑی دیر تک یونہی بیٹھے رہنے کے بعد وہ بیڈ سے اتر کر بالکنی کی طرف بڑھ گیا۔یعنی طے ہوا کہ اس کی ہر رات کی طرح یہ رات بھی یونہی بالکنی میں کٹے گی۔اس کے ساتھ سالوں سے ایسا ہو رہا تھا۔نجانے ایسا کون سا بوجھ تھا جو اسے سونے نہیں دیتا تھا، ایسا کون سا گلٹ تھا جو اسے نیند سے جاگنے پر مجبور کر دیتا تھا؟ وہ تھوڑی دیر یونہی نظریں سامنے خلا میں جمائے پر سوچ سا کھڑا تھا اور پھر وہ اندر گیا اور باہر واپس آنے پر اس کے ہاتھ میں سگریٹ اور لائیٹر تھا۔اس نے لائیٹر کے ذریعے سگریٹ جلایا اور لبوں میں دبا لیا۔اس نے ایک گہرا کش لے کر سانس فضا میں چھوڑی تو دھواں مرغولوں کی صورت ارد گرد پھیل گیا۔دھوئیں کے ان پھیلتے مرغولوں میں ایک عکس تھا جو ابھرا، بھوری آنکھیں تھیں جو اسے دکھائی دی تھیں۔وہ آنکھیں، وہ عکس، وہ شخص وہی تھا جس کا خون سالوں پہلے اس کے ہاتھوں پر لگ گیا تھا اور قدم پور پور اس کے خون میں نہا گئے تھے۔وہ کیسے اس منظر سے نکلتا جس میں صرف ایک غلطی کی وجہ سے اس کی نیندیں اڑ چکی تھیں؟ صرف اس کا ایک قدم اور سب ساکت۔اس منظر کے بعد سے سب ساکت ہی تو

تھا،سب جامد تھا۔اس کا دل،روح یہاں تک کہ دماغ،سب ساکت و جامد تھا۔اس کی نظروں میں سوائے سرد مہری اور سکوت کے کچھ نہیں تھا اور یہی بات اسے خطرناک بناتی تھی۔اس نے کچھ دیر یونہی کھڑے رہنے کے بعد فون نکال لیا تھا اور اب اس پہ انگلیاں چلانے کے بعد وہ اسے کان سے لگا رہا تھا۔دوسری طرف بیل جاتی رہی اور کال اٹھالی گئی۔رات کا پچھلا پہر تھا مگر دوسری طرف موجود شخص نے یہ پوچھنا ضروری نہیں سمجھا تھا کہ اس وقت کیوں؟اس وقت کیا؟

"میں نے تمہیں ایک کام کہا تھا کچھ دن پہلے۔"وہ بولا تو اس کی آواز میں کچھ دیر پہلے کا ملال کہیں نہیں تھا۔

"ہاں وہ میں کر چکی ہوں۔"دوسری طرف سے ایک لڑکی کی آواز ابھری تھی۔

"گاڑی کو منظر سے غائب کر دیا گیا ہے ایسے کہ اس کا سراغ کبھی کسی کو نہیں ملے گا اور یونیورسٹی کے کیمرا ز بھی صاف کروا دیے گئے ہیں۔کسی کو کبھی پتا نہیں چل پائے گا کہ یہ سب کس نے کیا تھا۔"وہ بولی تو اس کی آواز یحییٰ جتنی روبوٹک نہیں تھی،بلکہ اس میں ایک ہلکی سی لغزش تھی۔یحییٰ کی آنکھیں ایک بار پھر خطرناک حد تک پر سکون ہو چکی تھیں۔

"اتنی تاخیر نہیں ہونی چاہیے تھی اشمل!"اس نے سرد لہجے میں کہا تو سرسراتی ہوا ایک پل کو

ساکت ہوئی۔

"میں نے سب سے پہلے یہی کام کرنے کی کوشش کی تھی مگر حالات ایسے تھے کہ تھوڑی دیر ہو گئی۔ خیر کوئی پھر بھی جان نہیں پایا کچھ بھی۔" اس نے معاملہ سنبھالنے کی کوشش کی۔ ساکت ہو چکی فضا اب دلچسپی اور تجسس سے ان دونوں کی گفتگو سن رہی تھے۔

"اور اس کی حالت کیسی ہے؟"

"وہ تو ویسی ہی ہے ڈھیٹ سی۔ گاڑی نے اسے چھوا تک نہیں تھا، وہ بچ گئی اور اوپر سے کلاس سے بھی نکل آئی تھی، بہت آسانی سے۔" اشمل نے گویا افسوس کیا یا بے زاری دکھائی۔

"وہ چاہے جتنی بھی ڈھیٹ ہو جائے، اسے یہ بات سمجھ آ جانی چاہیے کہ جب بساط پر مہرے میں چلتا ہوں، تو سامنے کھڑی چٹان کو بھی مٹی بنتے دیر نہیں لگتی۔" وہ فون کان سے لگائے اندھیرے میں کھڑا اسی کا حصہ معلوم ہوتا تھا۔ اس نے سگریٹ کا ایک اور کش لیا۔ اس تاریک، سیاہ اندھیرے میں اگر کوئی اور رنگ تھا تو وہ اس دھوئیں کا تھا۔

"مٹی کی ملکہ کو کیا مٹی کرو گے تم؟" اس نے طنزیہ انداز میں کہا تھا۔ یحییٰ کے ابرو بے اختیار اوپر کو اٹھے۔

"مٹی کی ملکہ؟ دلچسپ! لیکن ملکہ کو مٹی کرنا میرا مقصد نہیں ہے۔ خاک کو خاک بنانا تو بہت

آسان کام ہے اور یحییٰ آسان کام نہیں کیا کرتا۔"اس کی آواز دھیمی تھی مگر ایسی جو ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑا دے۔اشمل کچھ دیر چپ رہی اور پھر کچھ دیر بعد فون کے سپیکر سے اس کی آواز ابھری۔

"لیکن تم یہ سب کر کیوں رہے ہو؟"وہ الجھن میں لگتی تھی۔

"کچھ سوالوں کے جواب بساط الٹنے سے پہلے نہیں دیے جاتے اشمل! لیکن تاریخ گواہ ہے کہ بڑوں کے کیے گئے گناہوں کا بوجھ آنے والی نسلیں اٹھاتی ہیں۔میرے کچھ حساب کتاب بہت پرانے ہیں اور ان کا سودا اسی مٹی کی ملکہ کے وجود سے ہو کر ہی پورا ہو گا۔"وہ سامنے دیکھتا کہہ رہا تھا۔اس کی آنکھوں میں سرخی آئی تھی،سیاہ منظر میں ایک اور رنگ کا اضافہ ہو گیا۔اس نے بات اتنے ٹھنڈے اور نپے تلے انداز میں کہی تھی کہ اشمل اس سے آگے کچھ بول نہیں پائی۔وہ خاموش ہو گئی تھی۔یحییٰ نے اس کے کچھ بولنے کا انتظار بھی نہیں کیا تھا وہ فون کاٹ گیا تھا۔بے چینیاں ایک بار پھر اس کے وجود میں بھر گئیں،حزن کے سائے اس کے گرد بڑھتے چلے گئے۔

☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆

یونیورسٹی کے اس ہنگامہ خیز اور مصروف ماحول سے نکل کر آؤ تو زرناب اس وقت اپنے ہاسٹل کے کمرے میں چت لیٹی چھت کو گھورے جا رہی تھی۔اس کا ذہن پروفیسر انیس کی باتوں اور

اپنے ساتھ ہوئے ان دو واقعات کے تانے بانے جوڑنے میں مصروف تھا۔اسی لمحے رھف کچن سے چائے کے دو مگ لیے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔اس کے چہرے سے اس کی ازلی چمک اور شرارت غائب تھی۔وہ چلتی ہوئی آئی اور زرناب کے قریب بستر کے کنارے بیٹھ گئی۔

"زرناب! تم اتنے سکون سے کیسے لیٹی ہو؟ میں تو بہت حیران ہوں۔"

زرناب نے دھیرے سے اپنی گردن موڑ کر اسے دیکھا، مگر لب اب بھی خاموش رہے۔

"حیران کس لیے ہو تم؟" وہ ایک بار پھر اپنی نظریں چھت پر جماتی بولی تھی۔

"یہ کوئی نارمل بات نہیں ہے۔جو کچھ تم نے بتایا اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہا ہے اور وہ بھی مسلسل۔" وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں اسے احساس دلا رہی تھی مگر زرناب ماننے کو تیار ہی نہیں تھی۔

"یہ اتفاق بھی تو ہو سکتا ہے۔" اس کو اپنی خود کی آواز بھی اجنبی لگی۔وہ جانتی تھی کہ یہ اتفاق ہر گز نہیں تھا مگر پھر بھی کوئی تسلی سی تھی جو وہ خود کو دے رہی تھی۔

"اتفاق؟ زرناب خدا کے لیے اندھی مت بنو۔تم نے خود کہا تھا کہ وہ گاڑی تمہارے انتظار میں وہاں کھڑی تھی اور کلاس کے باہر تم نے قدموں کی چاپ بھی تو سنی تھی۔"

اس بار زرناب کے پاس کوئی جواب نہیں بچا۔وہ بالکل چپ ہو گئی تھی۔

"دیکھو زرناب! میری بات غور سے سنو۔ یہ جو بھی ہو چکا ہے، اور آگے بھی ہو سکتا ہے، یہ نارمل تو ہرگز نہیں ہے۔" رھف مزید اس کے قریب ہو کر بیٹھی اور اسے بھی بیٹھا لیا۔

"اگر کوئی ہاسٹل کے باہر اور یونیورسٹی تک پہنچ سکتا ہے تو یہاں ہمارے کمرے میں بھی پہنچ سکتا ہے۔ اس طرح سکون سے مت بیٹھو، کچھ کرو یار!"

"میں کیا کروں پھر؟ تم ہی بتا دو۔" اس کے لہجے میں زمانے کی تھکن تھی۔

"تم، تم گھر والوں کو بتا دو۔" رھف نے ایک ممکن حل پیش کیا۔

"اس سے کیا ہو گا؟"

"ایٹ لیسٹ کسی کو پتا تو ہو گا نا۔ تم اکیلی نہیں ہو گی، اور پھر اگر تم کہیں غائب وغیرہ ہو گئی تو لوگ یہ نہیں سمجھیں گے کہ تم کسی کے ساتھ بھاگ گئی ہو۔"

زرناب نے جواباً اسے گھور کر دیکھا تو وہ دانت نکال کر رہ گئی۔ کچھ دیر یونہی گزر گئی۔ رھف اٹھ کر جا چکی تھی، اور زرناب وہیں بیٹھی رہ گئی۔ کچھ سوچتی ہوئی، کچھ سوچنے کی کوشش کرتی ہوئی۔ اس کی بے چینی کا اندازہ اس وقت کوئی نہیں لگا سکتا تھا۔ وہ دکھاتی نہیں تھی مگر وہ پریشان تھی۔ اب اس کے پاس دو راستے تھے یا تو وہ اپنے گھر میں سے کسی کو بتا دیتی یا یونہی اکیلی سب سہتی۔ کسی کو بتانے کا کوئی فائدہ اسے نظر نہیں آ رہا تھا۔ بھلا جو پبلک پلیسز پہ اسے تنگ کر رہا تھا وہ کسی کو بتا

دینے سے کیوں چپ ہو جاتا؟اوپر سے کسی کو بتانا،وہ بھی اپنے گھر میں، مطلب اپنی انا پر پاؤں رکھنا اور وہ یہ افورڈ نہیں کر سکتی تھی۔فی الحال نہیں کر سکتی تھی۔

☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆

وہ جیسے ہی لاؤنج کا بھاری دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوا،لاؤنج کے وسط میں لگے فانوس کی زرد روشنی کے نیچے حسیب پہلے سے بیٹھے اس کا انتظار کر رہے تھے۔یحییٰ انہیں دیکھ بس ایک پل کو ٹھٹکا اور پھر اپنے قدم اوپر کی جانب بڑھا لیے۔وہ ان کے سامنے سے گزر کر سیڑیوں کی طرف جا رہا تھا جب وہ صوفے سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کا راستہ روک لیا۔یحییٰ نے کچھ حیرت، کچھ الجھن اور کچھ بے زاری سے انہیں دیکھا تھا۔

"ٹیکسٹائل پراجیکٹس کی لاپروائی تو چھوڑو،اب تم کمپنی میں نئے تماشے کھڑے کرنے شروع کر چکے ہو۔"حسیب کی بھاری آواز گونجتی لاؤنج میں چھائے سکوت کو توڑ رہی تھی۔یحییٰ کے ابرو بے اختیار اوپر کو اٹھے۔اس نے اپنے کوٹ کا بٹن کھولا اور ایک انتہا درجے کی کٹیلی، سرد اور بے نیاز نگاہ اپنے باپ کے چہرے پر ڈالی۔اس کے چہرے پر ہمیشہ رہنے والا وہ پتھر جیسا سکوت حسیب کو مزید سلگانے کے لیے کافی تھا۔وہ یحییٰ کی نظروں کا مطلب خوب سمجھتے تھے۔

"تم نے آئمہ کو جاب سے نکالنے کی جرات کیسے کی؟"اس کی خاموشی پر انہوں نے خود ہی سوال

کر لیا تھا۔

"اتنا تو آپ بھی جانتے ہوں گے کہ میں بغیر کسی وجہ کے کچھ نہیں کیا کرتا۔" اس کی نپی تلی آواز میں تمکنت تھی۔ حسیب نے صبر کا ایک کڑوا گھونٹ حلق میں اتارا۔

"وجہ کیا تھی؟"

"وجہ بہت ٹھوس تھی۔ کیا میں نہیں جانتا کہ میری ہر موومنٹ، میرے ہر پروجیکٹ اور میری پرسنل لائف کی ایک ایک رپورٹ آپ تک کون پہنچاتا تھا؟" یحییٰ کے لبوں پر وہی تیکھی اور سفاک مسکراہٹ ابھری تھی۔ حسیب کا رنگ پل میں بدل کر رہ گیا۔

"تو۔۔ تو کیا ہوا اگر میں سب جان گیا تو؟"

"میں اپنے آفس کے بند دروازوں کے پیچھے آپ کا کوئی مہرہ برداشت نہیں کر سکتا ڈیڈ! اگر وہ آپ کی وفادار تھی تو اسے میری چھت کے نیچے رہنے کا کوئی حق نہیں تھا۔" بادشاہ ایک بار پھر اپنے روپ میں آ چکا تھا۔ اس نے اپنے الفاظ سے انہیں باور کروا دیا تھا کہ اس کی سلطنت میں، اس کے دربار میں ان کی آنکھ نہیں چلے گی۔ حسیب کو اپنا آپ اس کے سامنے بہت چھوٹا لگا۔

"میں تمہارا باپ ہوں یحییٰ! مجھے کمپنی کے معاملات جاننے کا پورا حق ہے۔" انہوں نے اپنا لہجہ مضبوط کرنے کی کوشش کی تھی۔ یحییٰ کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"آپ صرف اس کمپنی کے شیئر ہولڈر ہیں۔ باپ ہونے کا حق آپ نے اسی دن کھو دیا تھا جب۔۔۔" اس نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی تھی مگر اس کی آنکھوں کا زہر ان کی روح تک کو جھلسانے کے لیے کافی تھا۔ وہ جان گئے کہ وہ کیا کہنا چاہتا تھا۔ اسی وقت لاؤنج میں آسیہ داخل ہوئی تھیں۔

"میں پیٹھ پیچھے سازشیں کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ اگر آپ کی کوئی چیز مجھے ناپسند ہے تو میں اسے جڑ سے اکھاڑ دوں گا۔ ایک بات میری سن لیں کہ آئندہ میرے معاملات میں گھسنے سے پہلے سوچ لیجیے گا۔" وہ دوٹوک انداز میں کہتا، ایک بے نیاز نگاہ سامنے کھڑی اپنی ماں پر ڈالتا اوپر کی طرف بڑھ گیا تھا۔ پیچھے حسیب صبر کے گھونٹ پیتے کھڑے رہ گئے اور آسیہ بے بسی سے کبھی اپنے شوہر کو دیکھتیں، کبھی بیٹے کو۔ حسیب کو اس کے رویے پر پہلی بار حیرت ہوئی تھی وجہ اس کے لہجے کی ٹھنڈک نہیں تھی۔ وجہ اس کا حق جتانا تھا، سٹارلٹ پر، اس پوری کمپنی پر جو انہوں نے کھڑی کی۔ کچھ عرصہ پہلے جب وہ اسے زمہ داری سونپ رہے تھے تو وہ لینے کو تیار نہیں تھا اور آج؟ آج وہ بادشاہ تھا اور باقی سب اس کے ملازمین۔ حسیب نے ایک نظر اس کے کمرے کے بند دروازے کو دیکھا۔ انہیں خوف محسوس ہوا، یحییٰ سے، اس کے انداز سے، اس کے لہجے سے۔ اس کی ہر چیز خوف کھانے کے قابل تھی، یہ اعتراف انہیں آج کرنا پڑا۔ وہ دن بدن مزید بے رحم

اور خطرناک ہوتا جارہا تھا۔اب وہ کوئی عام ضدی لڑکا نہیں تھا جسے باپ کا غصہ یا خاندانی لحاظ قابو کر سکے، بلکہ وہ ایک ایسا سلطان تھا جو اپنے فیصلوں کے مقتل میں کسی کا بھی وجود سیکنڈوں میں مٹی کرنے کا ہنر جانتا تھا۔ حسیب کو شدت سے احساس ہوا کہ اس کے چہرے کا وہ سکوت، کسی بڑے اور ہولناک طوفان کا پتہ دے رہا تھا۔ وہ ایک گہری، بے بسی بھری سانس بھر کر رہ گئے، وہ سمجھ چکے تھے کہ ان کا اپنا ہی بیٹا اب ان کے قابو سے بہت دور نکل چکا تھا۔

☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆

یونیورسٹی میں اس وقت معمول کی چہل پہل تھی۔ زرناب تیز قدموں سے چلتی، ڈیپارٹمنٹ کے اس حصے میں آئی جہاں وہ پرانی لیب تھی۔ زرناب کے قدم ایک پل کے لیے رکے تھے، دل میں ہلکا سا خوف محسوس ہوا تھا۔اس نے ایک نظر ارد گرد ڈالی اور اپنے قدم لیب کی طرف بڑھا دیے۔اسی راہداری میں وہ کمرہ تھا جس میں اسے بند کیا گیا تھا۔اس بار وہ محتاط ہو کر کمرے سے تھوڑی دوری پر چلنے لگی۔ لب کاٹتے ہوئے وہ مطلوبہ کمرے تک پہنچی اور اندر داخل ہو گئی۔ لیب خالی نہیں تھی، اس کے علاوہ اکاد کا لوگ بھی وہاں موجود تھے۔اس نے اپنا کام تقریباً پندرہ منٹ میں ختم کر لیا تھا اور اب وہ جلد از جلد یہاں سے جانا چاہتی تھی۔اس کو عجیب قسم کی وحشت محسوس ہو رہی تھی یہاں پہ۔اس نے اپنا سامان سمیٹا اور باہر کی طرف بڑھ گئی۔ وہ تیز قدموں

سے چلتی ہوئی راہداری میں گزر رہی تھی اس کو ڈر تھا کہ کہیں وہ ان دیکھا وجود اس بار اس کے سامنے نہ آجائے۔ عجلت میں قدم اٹھاتی وہ راہداری کے سرے تک پہنچی اور دائیں طرف مڑ گئی۔ تیزی سے مڑتے ہوئے زرناب سامنے سے آتے ایک شخص سے پوری قوت سے ٹکرائی تھی۔

اس اچانک تصادم سے زرناب کا توازن بری طرح بگڑا اور اس کے ہاتھ میں موجود کاغذات فرش پر بکھرتے چلے گئے۔ وہ فوراً انہیں چننے کو جھکی، لیکن اس سے پہلے سامنے والے کی عقل ٹھکانے لگانی ضروری تھی، لہذا وہ جھکنا چھوڑ اپنی زبان کے جوہر دکھانے لگی۔

"تم۔۔" اس کے منہ سے کچھ نکلنے ہی والا تھا جب اس کی نظر سامنے کھڑے وجود پر پڑی اور وہ ساکت ہو گئی۔ اس کے جملے حلق میں ہی کہیں منجمد ہو گئے تھے۔ کوریڈور کی مدھم لائٹس کے نیچے، اس کے بالکل سامنے وہ شخص کھڑا تھا، سیاہ ہائی نیک سویٹر میں ملبوس، سبز بیگ کندھے پر لٹکائے، چہرے پر وہی پرانی اور جانی پہچانی کشش لیے۔ اس نے جیسے ہی نظریں اٹھائیں، تو زرناب کے پر وہی گہری، سنہری، سحر طاری کرتی آنکھیں عیاں ہوئیں۔ دونوں کی آنکھیں ایک پل کو ٹکرائیں، ایک سنہری سی روشنی نے ایک بار پھر اس کے وجود کے گرد ہالہ بنایا تھا۔ پوری راہداری میں ایسا سکوت چھا گیا کہ سٹوڈنٹس کا شور اور قدموں کی آوازیں ایک پل میں غائب ہو گئے۔ اب وہاں صرف بھوری، مٹی جیسی آنکھوں والی ملکہ تھی اور سنہری آنکھوں والا ساحر

تھا۔وہ اسے کچھ نہ کہتا دیکھ معذرت کرتا آگے بڑھ گیا تھا۔زرناب نے دیکھا وہ کچھ بولتے ہوئے مسکرایا تھا۔زرناب کا سیدھا کھڑا وجود پتھر کی طرح جامد ہو چکا تھا،اس کا دماغ جو کسی کی بھی ہر چال کو بھانپ لیتا تھا،آج ان سنہری آنکھوں کے سامنے بری طرح مفلوج ہو رہا تھا۔اسے محسوس ہوا وہ موبائل کی سکرین پر چلنے والی ویڈیو کے اس نادیدہ سنہری ہالے میں حقیقتاً قید ہو چکی تھی۔ایک ایسا صوتی اور بصری سحر جو اسے چاروں طرف سے بری طرح جکڑ رہا تھا۔ہادی وہاں سے جا چکا تھا مگر زرناب اب تک وہیں کھڑی تھی۔وہ نظروں کے اس تصادم میں اٹک چکی تھی۔وہ اس راہداری سے ڈر رہی تھی مگر اب خوف کی جگہ سحر نے لے لی،موت کی جگہ زندگی نے لے لی۔

اس نے زبردستی اپنے مسحور ہو چکے وجود کو ہلایا اور جھک کر کاغذات اٹھانے لگی،مگر اعصاب اب بھی اسی ایک لمحے میں اٹکے ہوئے تھے۔اسے سمجھ نہیں آیا اس کے ساتھ ہو کیا رہا تھا؟کیوں اس شخص کے سامنے اسے اپنے حواس مفلوج ہوتے محسوس ہوتے تھے؟یہ کیا احساس تھا؟یہ کیوں تھا؟اس کے گرد پھیلتی سنہری روشنی چھٹی تو اسے باقی کا منظر دکھائی دیا۔وہ منظر جس میں وہ تنہا کھڑی تھی۔وہ منظر جس میں اس کے حالات اسے منہ چڑا رہے تھے۔وہ عجیب سی کشمکش کا شکار ہو رہی تھی۔زرناب ایک ایسی لڑکی تھی جو کائنات کی کسی طاقت کے آگے جھکنا دور،اپنے

اعصاب پر رتی برابر بھی بوجھ برداشت نہیں کرتی تھی۔ وہ تو مٹی کی ملکہ تھی، وہ مٹی جو بظاہر بالکل بے جان اور ساکت لگتی ہے، مگر جب اپنے اصلی روپ میں آتی ہے تو خاک کا ایسا طوفان کھڑا کرتی ہے جو بڑے سے بڑے سلاطین کی آنکھوں کے آگے اندھیرا کر دے۔ تو پھر اب ایک اجنبی کی چمکتی ہوئی، سنہری آنکھوں کے آگے اس کا سخت وجود مٹی کے کچے گھروندے کی مانند کیوں بن گیا تھا؟ وہ اس صدا کے ساحر کے سامنے اس قدر بے بس اور مسحور کیوں ہو رہی تھی؟ اس نے بکھرے کاغذات سمیٹے اور تن کر کھڑی ہو گئی۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے اندر سے کسی نے بغاوت کی تھی۔ وہ یہ سب افورڈ نہیں کر سکتی تھی۔ وہ اپنے تاج کو کسی نادیدہ ساحر کے پیروں میں لا کر رکھنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ ہرگز نہیں! وہ اپنا سر جھٹکتی ایک بار پھر اپنے سخت خول میں خود کو ڈھانپتی وہاں سے جا چکی تھی۔ دور کھڑی تقدیر اسے دیکھ کر گہرا مسکرائی تھی، اس کی سوچ پر، اس کے خیال پر اور اس کے احساسات پر کیونکہ سحر سے بھاگا نہیں جاتا، سحر میں ڈوبا جاتا ہے۔ پچھلے دنوں پیش آنے والے واقعات اس کے جسم تک کو ہلا نہ سکے تھے اور اس ایک ساحر نے روح تک ہلا دی تھی؟ یہی تو فرق ہے دونوں میں، خوف سے لڑا جا سکتا ہے مگر سحر سے نہیں۔

☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆

ہادی یونس جب شہر کی ایک پر سکون اور پرانی بستی میں واقع اپنے گھر پہنچا، تو شام کے دھندلکے اس گھر کی دیواروں کو چھو رہے تھے۔ بھوری دیواروں والے گھر کی سادگی میں ایک عجب سا ٹھہراؤ تھا۔ لاؤنج کا دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوا تو عود اور کتابوں کی مانوس خوشبو نے اس کا استقبال کیا۔ وہ تھکے تھکے قدموں سے اندر داخل ہوا تھا۔ سامنے صوفے پر نینا خالہ بیٹھی تھیں، جنہیں دیکھ کر وہ ہلکا سا مسکرایا تھا۔ نینا خالہ اس کے گھر کی واحد مکین تھیں، اس کے ماضی اور اس کے حال سے واقف۔ اس کی روح کے ہر اتار چڑھاؤ سے واقف۔ وہ بھاری قدموں سے چلتا ان تک پہنچا اور بیگ ٹیبل پر رکھتا ان کے قریب بیٹھ گیا۔ انہوں نے اپنی نرم نگاہوں سے اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔

"آج سٹوڈیو میں زیادہ وقت لگ گیا؟" اس کے بیٹھتے ہی وہ بولی تھیں۔

"جی خالہ! کچھ لائیو ریکارڈنگز کرنی تھیں، بس اسی میں دیر ہو گئی تھوڑی۔" ہادی کے لبوں پر وہی دوستانہ، شگفتہ مسکراہٹ ابھری مگر وہ اس مسکراہٹ سے انہیں دھوکہ نہیں دے سکتا تھا۔ وہ اس ساحر کے چہرے پر سجی اس جادوئی مسکراہٹ کے پیچھے چھپے اس گہرے حزن کو بھانپ گئیں جو پچھلے لمبے عرصے سے ہادی کے وجود پر کسی سائے کی طرح مسلط تھا۔ وہ حزن جو اس کی سنہری آنکھوں کے پیچھے ایک بوجھل ملال بن کر رقص کرتا تھا، جسے وہ دنیا کے سامنے کبھی ظاہر نہیں

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ہونے دیتا تھا۔وہ سکرین اور مائیکروفون پر لاکھوں لوگوں کو سکون پہنچاتا تھا اور جب اکیلا ہوتا تھا تو ،اس کے اپنے اندر ایک مہیب اور ادس سکوت طاری ہو جاتا۔نینا خالہ جانتی تھیں اس کا یہ حزن کسی عام محرومی کا نتیجہ نہیں تھا، بلکہ یہ اس کے ماضی کی ایسی تاریک اور ادھوری داستان کا حصہ تھا جس کا بوجھ وہ اب تک اٹھائے پھر رہا تھا۔

"تمہاری آنکھوں کا یہ حزن کب ختم ہو گا ہادی؟ کب تک اپنے اندر کی ادسی کو چھپا کر مسکراتے رہو گے؟"ان کے صبر کی حد تمام ہونے کو تھی۔وہ کب سے اسے یونہی سب دل میں چھپا کر پھرتے دیکھ رہی تھیں۔ان سے بھی اس کی ایسی حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔آج کل تو پھر بھی وہ تھوڑا بہتر تھا، کبھی کبھی تو وہ پورا دن ایک جگی بیٹھا یک ٹک سامنے لگی تصویروں کو دیکھتے گزار دیتا تھا۔ہادی نے کچھ دیر خاموشی سے نینا خالہ کے شفیق چہرے کو دیکھا،اس کی سنہری آنکھوں کی چمک اس اندھیرے میں زرا مدھم ہوئی تھی مگر اس نے اپنے دکھوں کا اعتراف نہیں کیا، وہ کر ہی نہیں سکتا تھا۔اس کے پاس وہ زبان ہی نہیں تھی جو اپنی محرومیوں کا رونا روتی۔اس نے بنا کچھ کہے ان کا ہاتھ تھاما اور اپنے لب ان کے بوڑھے، جھریوں زدہ ہاتھ پر رکھے۔یہ ان کی پچھلی بات کا جواب تھا۔نجانے یہ کون سا انداز تھا بات ٹالنے کا مگر وہ کامیاب ہو ہی جاتا تھا،اس بار بھی ہو گیا تھا۔نینا خالہ کی آنکھوں میں نمی کی تہہ جم چکی تھی مگر اس نمی کو پینا تھا۔جیسے ان کا بھانجا کم بیٹا پیتا

تھا۔وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھنے کے بجائے وہ لاؤنج کے اس حصے تک آیا جہاں تصویریں لگی تھیں۔وہ تصویریں جن میں ہادی تھا،خالہ تھیں،اور ایک لڑکی تھی۔سبز آنکھوں والی معصوم سی لڑکی۔وہ جس کی آنکھوں میں جگنو تھے اور اس کے برابر کھڑا ہادی،جس کی آنکھوں میں دھوپ جیسی چمک تھی۔وہ دونوں ساتھ تھے،مکمل تھے۔

"تمہارے جانے سے کچھ بدلا تو نہیں ہے،بس اب میرے کمرے کی کھڑکی میں چاند نظر نہیں آتا۔"وہ تصور میں کسی سے مخاطب ہوا تھا۔کسی سبز آنکھوں والی سے۔وہ جس کے ہونے سے چاند کی چاندنی بڑھ جاتی تھی،وہ جب کسی باغ سے گزرتی تھی تو کلیاں کھل جاتی تھیں۔اس کو بڑبڑاتے دیکھ نینا خالہ نے تاسف بھری سانس خارج کی تھی۔وہ جانتی تھیں کہ ہادی اب کافی دیر تک یہیں کھڑا رہنے والا تھا۔یہ پرانا قصہ تھا،پرانا روگ تھا ان کا بھی اور ہادی کا بھی۔ایک ایسا روگ جس سے نکلنا،جس سے پیچھا چھڑانا اب انہیں اتنا ہی مشکل لگتا تھا جتنا اپنے ہی سائے سے بھاگنا۔

☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆

"تو پھر کیا فیصلہ کیا ہے تم نے؟"وہ دونوں ہاتھوں کو باہم ملائے آگے کو ہو بیٹھا۔اس کے بالکل سامنے زرناب بیٹھی تھی۔یونیورسٹی کے ہنگاموں اور ان حادثوں کے چند دن بعد یہ ایک

پر سکون سی شام تھی اور وہ لوگ اس وقت شہر کے ایک کیفے میں موجود تھے۔ کیفے کی مدھم لائٹس اور پسِ منظر میں بجتی ہلکی موسیقی ماحول کو ایک پر سکون سا تاثر دے رہی تھیں۔

"مجھے اتنا وقت نہیں ملا کہ میں اس بارے میں سوچ سکوں۔" وہ کمال بے نیازی سے بولتی اسے حیران کر گئی تھی۔ مبشر کے چہرے پر اس وقت فکر اور ایک خاص مان عیاں تھا۔ وہ زرناب کو اس ہاسٹل سے نکال کر گھر واپس لے جانے کے لیے آیا تھا مگر وہ جانتا تھا کہ اسے محنت تو کرنی پڑے گی۔

"اب تو بس ایک ہفتہ رہ گیا ہے شادی میں، اب تو مان جاؤ۔" ایک اور کوشش۔

"تمہیں شادی کی خوشیاں مبارک ہوں مگر میری وہاں کوئی ضرورت نہیں ہے۔" کوشش بے کار۔

"ضرورت ہے زرناب! مجھے ضرورت ہے تمہاری۔" وہ تو گویا اس کے الفاظ پہ صدمے میں جاتے جاتے بچا تھا۔ "تم کب تک اس جگہ پر رہنے کا ارادہ رکھتی ہو؟ کیا میرے مان کی کوئی قیمت نہیں ہے تمہاری نظر میں؟"

مبشر کے خلوص پر اس کا دل کٹ رہا تھا مگر ڈھیٹ پن ہمیشہ کی طرح غالب آ گیا۔

"میں اپنے فیصلے کسی کے لیے نہیں بدلا کرتی مبشر! جسے جو سوچنا ہے سوچتا رہے مجھے رتی برابر

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

بھی فرق نہیں پڑتا۔"اس کے الفاظ مبشر کے دل پر کسی گھونسے کی طرح پڑے تھے۔وہ بے نیاز تھی اور اس کا بے نیاز ہونا سب کے دل کو کہیں نا کہیں مار دیتا تھا۔

"اچھا؟تو اب بھائی کی شادی سے زیادہ تمہاری ایگو اہم ہو گئی ہے؟"وہ ایک بار پھر اپنی جوت میں آتا بولا۔زرناب جانتی تھی کہ اس وقت اس کی کوئی بھی بات مبشر کو یہاں سے جانے پر مجبور نہیں کر سکتی تھی،تو اس نے ہار ماننے والے انداز میں ایک سانس خارج کی۔

"پورا خاندان ایک طرف مگر جب تک تم میرے سر پہ کھڑی ہو کر چک چک نہیں کرو گی،تمہارا یہ بھائی نکاح کی کرسی پر نہیں بیٹھے گا۔اب بولو،کیا اپنے اس اکلوتے بھائی کو ساری زندگی کنوارہ رکھو گی۔"ویسے تو وہ حد درجہ سنجیدہ لگتا تھا،مگر اس کی باتیں؟یقیناً وہ ایموشنل بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہا تھا جو کہ اسے رتی برابر بھی نہیں آتا تھا۔

"زیادہ جذباتی ہونے کی ایکٹنگ مت کرو،میں تمہاری یہ رمورٹ کنٹرول پر فامنس اچھے سے جانتی ہوں۔"اس نے آنکھیں گھمائیں تو مبشر ایک بار پھر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔اگلے ہی سیکنڈ اس کے لبوں سے ایک زوردار قہقہہ برآمد ہوا تھا جس کی وجہ زرناب کو تو سمجھ نہیں آئی تھی۔وہ ابرو اکٹھے کیے الجھن سے اسے دیکھتی رہی۔مبشر نے ہنستے ہوئے نفی میں سر ہلایا اور پھر اگلے ہی پل وہ ایک بار پھر سنجیدہ ہو چکا تھا۔

"زرناب! سچ تو یہ ہے کہ زیدی ہاؤس میں لائٹنگ جتنی بھی تیز کر دی جائے، جب تک وہاں میری بہن نہیں ہو گی مجھے اس گھر کا صحن اندھیر ہی لگے گا۔ اب بتاؤ، کیا اپنے بھائی کے اتنے بڑے دن پر بھی اس صحن کو اندھیر ہی رکھو گی؟" اس کے بھرپور ڈرامائی انداز میں بولنے کا بھی زرناب پر اثر نہیں ہوا تھا، البتہ وہ اس کی اداکاری سے متاثر ضرور ہوئی تھی۔ کہاں تھا اب تک یہ جوہرِ نایاب؟ زرناب نے اندازہ لگایا اگر وہ آرکیٹیکٹ نہ ہوتا تو پکا اداکار ہوتا۔

"ٹھیک ہے۔۔ آجاؤں گی، مگر یاد رکھنا میں صرف تمہارے لیے آرہی ہوں۔" وہ کوئی فیصلہ کرتی حتمی انداز میں بولی، مبشر کے لبوں سے نکلنے والی سکھ کی سانس بے اختیار تھی۔

"چلو شکر ہے۔ ورنہ مجھے تو لگا تھا کہ دولہا بننے سے پہلے مجھے ہاسٹل کے کوریڈور میں ایک آدھ دھرنا تو دینا ہی پڑے گا۔"

زرناب جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی تھی، اس کے بعد مبشر بھی ہاتھ جھاڑتا اٹھا۔ وہ دونوں ایک ساتھ دروازے کی طرف بڑھے تھے۔

"ویسے صحن کے اندھیرے والی لائن بہت کلاسک تھی۔ ماننا پڑے گا، اکیڈمی آف فائن آرٹس کے بیسٹ ایکٹر کا ایوارڈ اس بار تمہیں ہی ملنا چاہیے۔" جاتے جاتے وہ اس پر طنز کرنا نہیں بھولی تھی۔ مبشر ایک بار پھر صدمے کی نذر ہوا۔

"تم نے میرے اس مخلصانہ خاندانی غم کو اتنی بے رحمی سے مٹی میں ملا دیا؟" وہ حیرت سے بولا تھا۔ زرناب نے ایک بار پھر آنکھیں گھمائیں۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟ کیا یہ ایکٹنگ نہیں تھی؟"

"شکر کرو تم مان گئیں، ورنہ اگلے جملے میں تو میں گھر کی دیواروں سے آنسو نکلوانے کی تیاری میں تھا۔" اس نے کالر جھاڑے جیسے کوئی بہت بڑا کارنامہ تھا جو سرانجام دے دیا تھا۔

"سیریسلی مبشر؟" زرناب نے تاسف سے سر ہلایا۔

"ویسے گھر کے باورچی کو کہہ دیا ہے، تمہارے استقبال کو کریلے گوشت تیار رکھے۔" وہ دونوں آہستہ قدموں سے داخلی دروازے تک پہنچے اور باہر نکل گئے۔

"مجھے سمجھ نہیں آتی کہ گوشت میں کریلے ڈال کر لوگ یہ تباہی کیوں کرتے ہیں۔" اس کی کریلے سے نفرت ایک بار پھر اس کے چہرے سے عیاں ہو گئی تھی۔ مبشر اب اسے مزید کریلے کے نام پر تنگ کر رہا تھا اور وہ منہ بنائے کچھ کہہ رہی تھی۔ وہ لوگ دور ہوتے گئے اور آوازیں مدھم پڑتی گئیں۔ ان کے پیچھے دروازہ بند ہوا تو ان کی آوازیں بھی بند ہو گئیں۔

☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆

کچن کے وسط میں سنگِ مرمر کے چمکدار صلیب پر آٹے کا غبار اڑ رہا تھا اور انڈوں کے چھلکے کسی

ہارے ہوئے لشکر کی طرح بکھرے پڑے تھے۔یاسین حسیب اپنے دونوں ہاتھ کمر پر باندھے ،سر پر شیف کی ٹیڑھی ٹوپی سجائے۔چولہے کے سامنے کھڑا، بڑے فخر سے ایک کالا جلا ہوا آملیٹ پلٹنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔وہ اپنے کام میں اس قدر مگن تھا کہ ارد گرد پھیلی تباہی کی رتی برابر بھی کوئی پرواہ نہیں تھی۔اسی وقت کچن کے دروازے سے آسیہ بیگم اندر داخل ہوئی تھیں۔جیسے ہی ان کی نظر کچن کے اس حشر پر پڑی ان کا منہ صدمے سے کھلا کا کھلا رہ گیا اور بلڈ پریشر چند سیکنڈ میں چوٹی تک پہنچ گیا تھا۔

"یااللہ! یہ میرے کچن کو کس کی نظر لگ گئی؟"وہ ارد گرد پھیلا وہ دیکھتے ہوئے بولی تھیں۔

یاسین نے ایک نظر انہیں دیکھا اور معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائیں۔

"یاسین! یاخدایا، یہ تم نے کون سا آٹے کا طوفان یہاں کھڑا کر دیا ہے؟اور یہ؟یہ چولہے پر کالی مٹی جیسا کیا جل رہا ہے؟"وہ اس تک پہنچیں تو ان کی نظر چولہے پر جلتے آملیٹ پر گئی۔

"کیا مام؟بلاوجہ اتنا پینک ہو جاتی ہیں۔کر دی نا میرے لائیو کوکنگ ٹیلنٹ کی توہین!"وہ تاسف سے گردن ہلاتا،اس قدر مایوسی سے بولا کہ آسیہ بیگم کو خود پر حیرت ہوئی کہ شاید انہوں نے سچ میں کچھ غلط کہہ دیا ہو۔

"تو کیا ہے یہ؟"وہ عجیب الجھن اور طیش کی ملی جلی کیفیت میں تھیں۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"یہ؟ یہ اصل میں بلیک آملیٹ ود ایکسٹرا پروٹین ہے۔ سائنس کہتی ہے، انڈے کو جتنا جلایا جائے، اس کا کولیسٹرول اتنا ہی دھواں بن کر اڑ جاتا ہے اور پیچھے صرف خالص وٹامن بچتے ہیں۔ میں نے سوچا کہ بھائی ویسے بھی دن رات کام کر کر کے تھک جاتے ہیں تو ان کی تھکن کو بنا کسی نقصان کے اتارنے کے لیے یہ انوکھا آملیٹ ہی بیسٹ رہے گا۔" ہاتھ میں پکڑی چمچ کو ہوا میں کسی ہتھیار کی طرح لہراتے ہوئے اس نے ایک انداز سے کہا۔

"انڈے کو جلانے سے کولیسٹرول اڑ جاتا ہے؟" وہ اپنے دوسرے سپوت کی باتیں سن کر صدمے میں نہ جاتیں تو کیا کرتیں؟

"یاسین تمہاری یہ سستی سائنس اور فضول باتیں کسی دن میرا پارہ چڑھا دیں گی، اور یحییٰ؟ اگر اس نے کچن کی یہ حالت دیکھ لی نا تو تمہیں گھر سے ہی آؤٹ کر دے گا۔" آسیہ بیگم غصے کو قابو کرتیں، کچرا سمیٹنے لگیں۔

"ارے مام! بھائی تو خود ایک سلطان ہیں اور ایک سچا سلطان کبھی اپنے چھوٹے بھائی کے انڈے گرانے پر عدالت نہیں لگائے گا۔ کم از کم مجھے تو یہی لگتا ہے، آپ کا کیا خیال ہے؟" وہ اس صورتحال میں، پوری سنجیدگی کے ساتھ بولا تو وہ اپنا ماتھا پیٹ کر رہ گئیں۔ کبھی کبھی تو آسیہ بیگم کو اس پر حیرت ہوتی۔ کیا وہ واقعی میں یہ سب سوچ رہا تھا؟

"اور ویسے بھی میں نے اس آملیٹ میں نمک کی جگہ پسی ہوئی چینی ڈالی ہے کیونکہ اس سے بھائی کا غصہ تھوڑا کم ہو گا اور وہ گاڑی کے لیے ہاں کر دیں گے۔" اس نے ایک اور شوشہ چھوڑا۔ اس بار آسیہ کے صبر کی انتہا ہو گئی تھی، وہ صدمے سے سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

"یاسین تم نے چینی ڈال دی؟ یحییٰ نے یہ زہر کھا لیا تو نئی گاڑی تو دور پرانی والی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھو گے۔ اور یہ چمچ چھوڑو اور نکلو باہر، خبردار جو مجھے آئندہ کچن میں نظر بھی آئے تو۔" آسیہ بیگم نے قریب پڑا دوسرا چمچ اٹھا کر اس کے ہاتھ پہ مارنا چاہا مگر وہ سرعت سے ہاتھ پیچھے کرتا، ان سے دور ہو کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"کیا کرتی ہیں مام؟ جنگجوؤں کی طرح پیش آنا بند کریں ورنہ میں آپ کا بائی کاٹ کر دوں گا۔" اس نے بوکھلا کر پہلے اپنی ماں کو دیکھا اور پھر خفا ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

"بائی کاٹ کے بچے! تمہیں میں بتاتی ہوں، صبر! رکو۔" وہ ادھر اُدھر دیکھتیں اس سے پہلے کوئی تیز ہتھیار ڈھونتیں، وہ کچن سے بھاگ کھڑا ہوا تھا۔ کچن کا سر پیر گندگی میں نہایا دیکھ انہوں نے ملازم کو آواز لگائی تھی۔

"فاروق! زرا یہ کچن صاف کر دو۔ کتنی بار کہا ہے تم سے کہ مت آنے دیا کرو اس لڑکے کو کچن میں۔"

انہوں نے ایک نظر پھیلاوے کو دیکھا اور ایک جھرجھری لیتیں کچن سے باہر نکل آئیں، ساتھ ساتھ فاروق کو صلواتیں سنانا بھی اپنا فرض سمجھا تھا انہوں نے۔

☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆

مبشر کا مخلصانہ اصرار اور ان کی ہلکی پھلکی گفتگو کا غبار ستمبر کی اس ڈھلتی شام کے اندھیرے میں کہیں گم ہو چکا تھا۔ وہ اس وقت اپنے ہاسٹل جانے والے راستے پر موجود تھی۔ وہ راستہ جو عموماً خالی اور ویران رہتا تھا۔ سڑک کے اطراف میں لگے درخت پتے جھڑنے کے باعث اب خالی خالی محسوس ہوتے تھے۔ سڑک پر گرے زرد پتے فسوں سا بنا رہے تھے۔ زرناب سر جھکائے چلتی جا رہی تھی۔ کچھ قدم چلنے کے بعد اسے سٹریٹ لیمپ کی مدھم روشنی کے نیچے ایک سائے کا احساس ہوا، اس نے جھٹ سے سر اٹھا کر وہاں دیکھا تھا، مگر اسے ہلکی زرد روشنی کے سوا اور کچھ نہ دکھا۔ اس نے خشک پڑتے لبوں پر زبان پھیر کر انہیں تر کیا اور ایک بار پھر چلنے لگی۔ سڑک پر دور دور تک زندگی کا کوئی نشان نہیں تھا، مگر اس بار جب وہ چلنے لگی تو اسے اپنے جوتوں کے ساتھ اپنے بالکل پیچھے کسی اور کے بھاری قدموں کی چاپ بھی سنائی دی۔ وہ ایک بار پھر رک گئی، قدموں کی آواز اس کے ساتھ رکی تھی۔ وہ کچھ دیر یونہی جامد سی کھڑی رہی اور اس آواز کو نظر انداز کرنے کا فیصلہ کرتی ایک بار پھر اپنے قدم بڑھائے، لیکن اس بار پھر وہی ہوا، وہی

دھندلی سی قدموں کی آواز جو حواس پر حاوی ہوتی تھی۔اسے لگا جیسے کوئی بہت ہی خاموشی سے اس کے ساتھ چل رہا ہو، لیکن قدموں کی چاپ! وہ جان بوجھ کر نکالی ہوئی لگتی تھی۔اس بار قدموں کے ساتھ اس کا دل بھی رک گیا لیکن وہ مڑ کر نہیں دیکھنا چاہتی تھی،اسے لگا اگر اس نے پلٹ کر دیکھا تو کوئی ایسی چیز اس کی منتظر ہو گی جو اسے پتھر کا مجسمہ بنا دے گی۔وہ مجسمہ نہیں بننا چاہتی تھی،وہ پلٹ کر نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔اس کا دل ایسے دھڑک رہا تھا جیسے پسلیاں توڑ کر باہر نکل آئے گا۔اس کا دماغ دو حصوں میں بٹ کر رہ گیا تھا۔ایک حصہ جو ایک عام بے بس لڑکی کا تھا،شدید خوف کے مارے اسے وہاں سے بھاگ جانے کا کہہ رہا تھا، مگر جانے کیا چیز تھی کہ اس کے قدم منجد ہو گئے تھے؟اسے لگا اگر وہ بھاگی یا ہلی تو کچھ ہو جائے گا۔بالآخر اس نے اپنی زندگی کی ساری ہمت مجتمع کی اور قدموں کو آگے بڑھایا۔اس کا چہرہ پسینے سے تر ہو چکا تھا،دل تو مانو کانوں میں دھڑک رہا تھا۔وہ بار بار اپنی مٹھیاں بند کرتی اور کھولتی مگر اپنے قدموں کو اس نے ڈگمگانے نہیں دیا تھا۔اس آواز نے ہاسٹل کے دروازے تک اس کا پیچھا کیا تھا، مگر اس کی اتنی ہمت نہیں ہوئی کہ وہ مڑ کر دیکھتی۔ہاسٹل میں داخل ہو جانے کے بعد بھی جب وہ خود کو پوری طرح نارمل رکھنے کی کوشش کر رہی تھی تو بری طرح ناکام ہو رہی تھی۔ریڑھ کی ہڈی میں ہوتی سنسناہٹ اور کانپتے ہوئے ہاتھ اب بھی اس کے اندر کی کیفیت کو بیان کر رہے تھے۔وہ جب خود

کو بمشکل سنبھالتے ہوئے اپنے کمرے میں پہنچی تو رھف پہلے سے وہاں موجود تھی۔وہ بیڈ پر بیٹھی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی جب نظر اٹھا کر یونہی زرناب کو دیکھا۔اس کی اڑی رنگت اسے پورا ماجرہ سمجھا گئی تھی۔اس نے زرناب کی غیر ہوتی حالت دیکھی تو فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کیا ہوا؟تم ٹھیک ہو؟"وہ فکر مندی سے کہتی اس کے پاس آئی۔زرناب کے چہرے سے اس کا ازلی سکون اور ٹھہراؤ غائب تھا اور ٹھنڈے پسینے کی بوندیں ماتھے پر چمک رہی تھیں۔زرناب اب بھی بے یقینی کی کیفیت میں تھی، تھوڑی دیر پہلے کا خوف اب ختم ہو چکا تھا مگر وہ بے یقینی اور بے چینی اب اس کے ساتھ رہ گئی تھی۔سفید دوپٹہ اس نے سختی سے مٹھی میں بھینچ رکھا تھا اور آنکھوں میں پھیلی وہ نامعلوم وحشت تھی جس نے رھف کو پوری کہانی بنا کچھ کہے ہی سنا دی تھی۔وہ جانتی تھی کہ زرناب وہ ڈھیٹ لڑکی ہے جو حالات کے آگے مر سکتی ہے مگر اپنی کمزوری کا تماشہ نہیں لگا سکتی،اگر آج اس کے چہرے کا رنگ یوں اڑا ہوا تھا تو اس کا صاف مطلب تھا کہ کچھ ہوا تھا۔

"باہر۔۔۔باہر سڑک پر کوئی تھا رھف!کوئی میرا۔۔۔میرا پیچھا کر رہا تھا۔"وہ بے یقینی کی کیفیت میں بول رہی تھی۔رھف نے ایک نظر الجھن سے اسے دیکھا اور پھر پوری بات سمجھتی وہ بھی حیران ہوئی۔

"کیا مطلب؟ کون تھا وہ زرناب؟" اس کا دل جیسے اچھل کر حلق میں آیا تھا۔

"مجھے نہیں پتا رھف! میں نے اسے نہیں دیکھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہاں کوئی تھا، وہ میرا پیچھا کر رہا تھا۔" اس نے مضبوطی سے رھف کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"تم آؤ۔ ادھر بیٹھو۔" وہ اسے اپنے ساتھ لیے بیڈ تک آئی اور اسے بیٹھا دیا۔

"وہ کوئی وہم نہیں تھا رھف! وہ وہم نہیں تھا۔" اس کا پسینے سے تر ہوتا چہرہ اس کے اندرونی تلاطم کی گواہی دے رہا تھا۔

"میں جب کیب سے اتری تو مجھے اس سائے کا احساس ہوا اور پھر میرے پیروں کی آواز کے بالکل پیچھے کسی اور کے قدموں کی چاپ بھی تھی رھف!" وہ بوکھلائی ہوئی لگتی تھی اور بجا لگتی تھی۔ اگر اس کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو یقیناً اب تک بے ہوش ہو چکی ہوتی۔ زرناب نے اپنے دونوں ہاتھ آپس میں سختی سے بھینچے اور خود پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔ رھف اپنی جگہ منجمد سی کھڑی رہ گئی۔ زرناب کے منہ سے یہ سب سننا اس کے اپنے اعصاب کو چٹخانے کے لیے کافی تھا۔ اس نے پہلی بار ملکہِ خاک کو کسی نادیدہ حصار کے آگے یوں بے بس دیکھا تھا۔

☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆

رات کا پچھلا پہر تھا جب ہاسٹل کا وہ کمرہ بوجھل، حبس زدہ اندھیرے میں پوری طرح ڈوبا ہوا تھا۔

زرناب بیڈ پر لیٹی پر سکون اور گہری نیند میں تھی، جب فضا میں چھائے سکوت کو چیرتی ہوئی ایک انتہائی مدھم اور باریک سی آواز ابھری۔

" Twinkle, Twinkle, little star

How I wonder what you are?"

زرناب کے وجود میں پہلے ہلکی سی ہلچل ہوئی اور چہرے پر بے چینی پھیل گئی۔ وہ اس آواز سے ڈسٹرب ہوئی تھی۔

"Up above the world so high

like a diamond in the sky."

اعصاب کو جھنجھوڑتی یہ آواز لمحہ بہ لمحہ تیز ہوتی جا رہی تھی۔ زرناب کو لگا کوئی اس کے کان کے بالکل پاس آ کر گنگنا رہا ہو۔ اس کی آنکھ ایک جھٹکے سے کھلی تھی۔ کمرے میں وال کلاک کی مسلسل ٹک ٹک بھی پسِ منظر میں سنائی دے رہی تھی۔ اس نے بیڈ پر لیٹے لیٹے ہی اس آواز کو سنا، دل کی دھڑکن فوراً معمول سے ہٹی تھی۔ اگلے ہی پل وہ اس آواز کو نظر انداز کرتی آنکھیں موند گئی، مگر وہ آواز بار بار اس کے اعصاب کو جھنجھوڑ رہی تھی۔ اس نے اس وحشت ناک آواز کو اپنا وہم مان کر نظر انداز کرنے کی کوشش کی، مگر وہ آواز مسلسل ایک ہی انداز میں، ایک ہی تعدد

کے ساتھ اندھیرے میں گونج رہی تھی۔اسے لگا جیسے کوئی پسِ دیوار کھڑا اسے دیکھ رہا ہے اور کچھ کہنے کی کوشش کر رہا ہے۔اس کبھی نہ بند ہونے والی آواز سے تنگ آخر وہ اٹھ بیٹھی۔ بیٹھنے کے بعد چند گہرے گہرے سانس لیے اور اپنے پاؤں بیڈ سے نیچے اتارے۔

"Twinkle, Twinkle, little star

how I wonder what you are?"

آواز ہنوز بڑھتی جا رہی تھی۔کچھ دیر ایسے ہی پاؤں لٹکائے بیٹھی آواز کی سمت کا تعین کرنے لگی۔اسے احساس ہوا کہ آواز کھڑکی کی طرف سے آ رہی تھی۔وہ لب کاٹتی اٹھی اور کھڑکی کی طرف بڑھنے لگی، موت ہر گزرتے لمحے اسے قریب ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔قدم اتنے دھیمے تھے جیسے وہ ہوا پہ چل رہی ہو۔محتاط سے انداز میں چلتی وہ کھڑکی تک پہنچی اور پردہ ہٹایا۔اگلے ہی پل اس کا دل اچھل کر حلق میں آیا تھا۔کھڑکی کے لوہے کے جنگلے کے پاس، چاند کی مدھم روشنی میں ایک چھوٹی سی گڑیا دکھائی دی تھی۔ایک لمحے کو تو وہ اپنی جگہ گنگ کھڑی رہ گئی۔گڑیا کی بڑی بڑی ڈراؤنی آنکھیں، اسے وحشت زدہ لگیں۔وہ ہمت مجتمع کرتی اس کے قریب آئی اور غور سے اسے دیکھنے لگی۔ابرو اکٹھے ہو گئے تھے، اس بار تعجب سے، حیرت سے۔گڑیا کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے اور اس کے چہرے کے نقوش اس اندھیرے میں خوفناک لگ رہے تھے۔آواز اسی

سے آرہی تھی۔زرناب نے ہاتھ بڑھایااور اسے پکڑ لیا۔اس کے ہاتھ میں آتے ہی نظم کٹ کر آواز بند ہو گئی اور کمرے میں ایک بار پھر وہی سکوت چھا گیا۔وہ کچھ دیر یونہی کھڑی اسے دیکھتی رہی۔اسے دیکھ دیکھ کر جھرجھری آرہی تھی۔زرناب نے اس سے نظریں ہٹا کر کھڑکی کی طرف دیکھا،ابھی وہ پلٹتی اس سے پہلے ہی اس کی نظر ایک ایسی چیز پر پڑی کے اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیلی تھیں۔کھڑکی سے نیچے دکھتا منظر اس کا دل دہلا دینے کے لیے کافی تھا۔سڑک پر اس کی کھڑکی کے بالکل سامنے ایک درخت تھا، جس کے ساتھ ٹیک لگائے وہ کھڑا تھا۔وہ، جس کا وجود محض ایک سائے جیسا تھا۔سیاہ لباس میں ملبوس وہ اندھیرے کا ہی حصہ معلوم ہوتا تھا۔اس کا رخ زرناب کے کمرے کی طرف تھا اور وہ سر اٹھائے براہِ راست اس کی کھڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا۔زرناب کو لگا اس کی ٹانگوں سے دم نکل رہا ہے۔سیاہ ہیولہ حرکت کیے بنا وہیں جما رہا اور تب تک جب تک زرناب نے کھڑکی بند کر کے پردہ آگے نہ کر دیا۔وہ لرزتے ہاتھوں سے پردہ برابر کرتی پلٹی اور دل پر ہاتھ رکھتی وہیں دیوار کے ساتھ بیٹھتی چلی گئی۔بس چند لمحوں کا کھیل تھا اور اس کا دل بری طرح خوف سے لرز چکا تھا۔وہ پھٹی آنکھوں کے ساتھ،لبوں پر دونوں ہاتھ جمائے وہاں بیٹھی تھی۔اگر اب تک وہم کے کچھ امکانات تھے بھی تو اب سب ختم ہو چکا تھا۔اب اسے یقین ہو چکا تھا کہ کچھ ہے جو اس کے پیچھے

ہے۔وہ آنکھیں بند کر کے بار بار سر جھٹکتی،اس لمحے سے نکلنے کی کوشش کر رہی تھی، مگر جیسے ہی آنکھیں بند کرتی سامنے وہی سیاہ ہیولہ، کسی آسیب کی طرح دکھائی دیتا۔ایک ایسا آسیب جو ہر جگہ موجود تھا، جس کا احساس ہر جگہ موجود تھا۔جو دکھتا نہیں تھا مگر محسوس ہوتا تھا۔اسے اپنی آگے کی زندگی اندھیر محسوس ہوئی،اسے لگا اس کے پاس کوئی راستہ نہیں بچا۔یہ کیا تھا؟جو اس کا پیچھا کر رہا تھا؟کوئی سایہ، کوئی آسیب یا پھر کچھ اور؟اس نے دوبارہ کھڑکی کی طرف دیکھنے کی ہمت نہیں کی۔اسے ڈر تھا کہ اگر پردہ ہٹایا تو وہ اب بھی وہی کھڑا ہو گا شاید پہلے سے بھی زیادہ قریب۔

راستے تھے مگر ان پر کوئی نشاں نہ تھا
کوئی منزل، کوئی رہنما نہ تھا
چپ چاپ؛
ان راستوں پہ کوئی سایہ چلتا ہے
جیسے ہر موڑ پہ کوئی راز پلتا ہے
نہ اس کا چہرہ، نہ کوئی نام دکھا
پھر بھی ہر لمحے پہ اس کا اثر چھلکتا ہے
نہ راستہ صاف تھا، نہ منزل کا نشاں

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ہر موڑ پہ سایہ تھا، ہر سانس میں گماں

کون ہے دشمن؟ کون اپنا سمجھ نہ آئے

قدم قدم پر خوف اور بس تنہائی چھائے

چپ سی رات تھی، ہوا بھی بے زبان تھی

لیکن ہر کونے سے ایک دستک تھی سنائی دی

راستہ تو تھا جانے پہچانے شہر کا، پھر کیوں؟

ہر منظر میں ایک اجنبی سی پرچھائی تھی

اس کا وجود تھا مگر شاید نام نہیں

وہ بس ایک احساس تھا،

جو ہر وقت میرے پاس تھا۔

☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆

"مام! آپ مانیں یا نہ مانیں، وائٹ پیلس کی یہ ہوا میری وجہ سے ہی ٹھنڈی لگتی ہے، ورنہ باقی سب تو یہاں انگارے چبائے بیٹھے ہیں۔" صبح صبح وہ ایک بار پھر شروع ہو چکا تھا۔ آسیہ بیگم اس کے سامنے ہی ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی تھیں اور کب سے اس کی ہاں میں ہاں ملائے جا رہی تھیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"پورے شہر میں میری لُکس کے چرچے ہیں ور ایک آپ ہیں کہ میرے زرا سے کچن کے طوفان پر سر پکڑ کر بیٹھ جاتی ہیں۔" اسے ایک اور دکھ یاد آ گیا۔ آسیہ نے تاسف سے بس سر ہلایا تھا۔ یحییٰ اسی وقت سیڑھیوں سے اترتا دکھائی دیا۔ وہ بھاری قدموں سے چلتا، سیاہ پینٹ پر سفید ڈریس شرٹ پہنے ہمیشہ کی طرح باوقار لگ رہا تھا۔ بال اچھے سے سیٹ کیے، آنکھوں میں سنجیدگی لیے وہ ٹیبل تک آیا اور سربراہی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ "تمہاری لُکس کے چرچے پورے شہر میں ہوں یا نہ ہوں مگر تمہاری اس کوکنگ سائنس کے چرچے ہر جگہ ضرور ہو رہے ہیں۔" وہ آتے ہوئے اس کی بات سن چکا تھا اسی لیے دھیمی آواز میں طنز کرتا بیٹھا۔

"مجھے سمجھ نہیں آتا آخر یہ کون سا ایسا جاسوس ہے جو میری نظروں سے بچ گیا؟" یاسین ایک بار پھر اپنی بات پھیلتی دیکھ دل گرفتہ ہوا تھا۔

"مجھے اس محل میں ہوئی کوئی بات جاننے کے لیے کسی جاسوس کی ضرورت نہیں، یہاں کی دیواریں بھی میری وفادار ہیں۔" وہ اسی تمکنت سے کہتا ناشتہ شروع کر چکا تھا۔ اس کے آتے ہی آسیہ بیگم کو جیسے چپ لگ گئی تھی۔

"بس کریں بھائی۔ پھینکنے کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔" یاسین اس کی بات کو مذاق میں اڑاتا، ہاتھ جھلا کر بولا تھا۔ یحییٰ نے زرا کی زرا نظر اٹھا کر اسے گھورا تو اس نے فوراً معصومیت کے ریکارڈ

توڑتے ہوئے مسکراہٹ اچھالی، جیسے اس سے مظلوم تو دنیا میں کوئی تھا ہی نہیں۔

"اگر آئندہ تم نے ایسی کوئی حرکت کی تو تمہاری نئی گاڑی کی فائل میرے میز سے آگے نہیں جائے گی۔" وہ دوٹوک انداز میں بولا۔ یاسین احتجاجاً کچھ کہنے کے لیے منہ کھولنے ہی لگا تھا جب ایک تیسری آواز وہاں گونجی۔

"ارے یار یحییٰ! صبح صبح بھی تم نے بے چارے کو عدالت میں گھسیٹا ہوا ہے۔ کم از کم ناشتے کے مینو میں یہ گاڑیوں کی فائلز شامل مت کیا کرو۔"

ڈائننگ ٹیبل پر موجود تینوں نفوس کے سر ایک ساتھ گھومے تھے۔ لاؤنج کے دروازے سے ٹیک لگائے، کوٹ کے اوپری بٹن کھولے چہرے پر دنیا کی سب سے بڑی اور زندہ دل مسکراہٹ سجائے وہ کھڑا تھا۔

"لو بھئی! کائنات کے سب سے بڑے مفکر خود چل کر ہمارے دربار میں آئے ہیں۔" بے چارہ اپنی مظلومیت بھولتا ٹیبل سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ باقی دو لوگوں کے چہروں پر بھی خوشگوار حیرت امڈ آئی تھی۔

"صبح بخیر، ہمارے وائٹ پیلس کے اکلوتے افلاطون! میں تو سمجھا تھا کہ پچھلے دو دنوں سے کائنات کے کسی نئے فلسفے پر غور کرنے کے لیے مٹی کے نیچے روپوش ہو چکے ہیں۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"فلسفے تو اپنی جگہ قائم رہتے ہیں شیف صاحب! لیکن آپ کے اس آٹے کے طوفان کی خوشبو مجھے باہر پورچ تک کھینچ لائی ہے۔" وہ ٹیبل کی طرف بڑھتا بولا تو یاسین کی مسکراہٹ پل میں ہوا ہوئی تھی۔اس نے خفگی سے اپنی ماں کو دیکھا تو وہ کندھے اچکا گئیں۔یحییٰ کا جاسوس جو بھی ہو لیکن اس افلاطون کی جاسوس تو اس کی اپنی ماں تھی۔ مجال ہے جو کوئی خبر اس تک نہ پہنچتی ہو۔

"لو جی! آپ کو بھی پتا چل گیا؟ یا اللہ! ایسا بھی کیا کر دیا میں نے جو اشتہار چھپوائے جا رہے ہیں؟" معصومیت کی انتہاؤں کو چھوتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھا تھا اس نے۔

"بس کرو اب بہت ہو گئے ڈرامے۔اچھا ہوا کہ تم آ گئے میں ابھی یہی پوچھنے والی تھی ان سے کہ کتنے دن ہو گئے تم آئے ہی نہیں پھر۔" انہوں نے یاسین کو ڈپٹتے ہوئے آخر میں اسے مخاطب کیا تو وہ سر ہلا گیا۔اب وہ بھی ان کے ساتھ ہی ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ چکا تھا۔آسیہ بیگم نے اس کے لیے پیالی چائے سے بھری اور اس کی طرف بڑھائی جسے اس نے بنا کسی تکلف اور تردد کے لے لیا تھا۔

"آپ کے اس بڑے بیٹے کے پاس بزنس ٹینڈر سے فرصت ہو گی تو یہ میرے جیسے مخلص دوست کا حال بتائے گا نا۔" اس نے چائے کا پہلا گھونٹ لیتے ہوئے یحییٰ پر چوٹ کی تو آسیہ چپ ہو گئیں۔

"ویسے میں آج تک یہی سوچ رہا ہوں، کہ تمہارا یہ نام 'خلدون' آخر کسی نے کیا سوچ کر رکھا تھا؟ کیونکہ تمہاری ان بنا سر پیر کی باتوں میں تو مجھے رتی برابر بھی عقل نظر نہیں آرہی۔" یحییٰ نے تاسف سے سر ہلایا۔

"یہ تو تم ہی بتاؤ مجھے۔ آخر کیا ضرورت تھی اس نام کی؟ میرا نام جیری یا ٹومی بھی ہو سکتا تھا۔" اس کے الفاظ پر یاسین کو چائے پیتے پیتے اچھو لگا تھا۔

"خدا کا کچھ خوف کریں یار! یہ کیسے کیسے نام سوچ رکھے ہیں آپ نے؟ شکر ہے آپ کا نام رکھنے پہ آپ کا اختیار نہیں تھا۔" یاسین نے بے اختیار شکر کی سانس لی۔ جیسے اگر یہ اختیار اس کے پاس ہوتا تو تباہی آجانی تھی۔

"یہاں سب عقل سے پیدل ہیں۔" اس بار تبصرہ آسیہ بیگم کی طرف سے آیا تو یاسین نے سر دھنتے ہوئے تائید کی تھی۔

"عقل تو دنیا کے ہر دوسرے سستے شخص میں مل جاتی ہے۔" بولنے والا وہی تھا جس کا نام زیرِ بحث تھا۔

"اگزیکلی! ہمارے خلدون بھائی کے پاس جو بغیر عقل کے لائیو ٹیلنٹ ہے، وہ ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا۔" یاسین نے تالی مارتے ہوئے لقمہ دیا اور زوردار قہقہہ لگایا، لیکن سب کو اسی

طرح سنجیدہ بیٹھے دیکھ اس کے دانت اندر ہوئے تھے۔

"فنی تھا یار!" وہ بے چارگی سے بولا۔

"نہیں تھا۔" یحییٰ نے نفی میں سر ہلایا۔

"تھوڑا سا تو تھا۔" وہ خفگی سے بولا مگر اس کی بات سے کسی نے اتفاق نہیں کیا تھا۔

"تم تو خاموش رہو آٹے کے طوفان!" اس نے ایک بار پھر کل رات کیا گیا اس کا کارنامہ اسے یاد دلایا تھا۔ یاسین نے خفا خفا سے انداز میں اپنی ماں کو دیکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"ٹھیک ہے۔ آپ لوگوں کو میری باتیں فنی نہیں لگتیں نا؟ تو جائیں اپنی اس عقل کو تیل میں فرائی کر کے کھائیں۔ میں جا رہا ہوں، میری قدر صرف آملیٹ ود ایکسٹرا پروٹین ہی سمجھ سکتا ہے۔" وہ منہ پھلا کر کہتا وہاں سے پیر پٹختے ہوئے جا چکا تھا۔ اس کو جاتے ہوئے یحییٰ نے گردن موڑ کر اسے دیکھا اور اس کی نظریں خلدون سے ملیں اور پھر اگلے ہی پل دونوں کا چھت پھاڑ قہقہہ بلند ہوا تھا۔ آسیہ بیگم نے بھی اپنی مسکراہٹ دبائی تھی۔

☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆

کمال ہاؤس کا وہ وسیع و عریض لان اس وقت ستمبر کی خنک رات میں، روشنیوں کے ایک شاندار سیلاب میں نہایا ہوا تھا۔ مبشر کی شادی کی میوزیکل نائٹ کا آغاز ہو چکا تھا، جہاں دیواروں کے

ساتھ لگی برقی لائٹس کی روشنی مخملی گھاس پر رقص کر رہی تھیں۔کزنز کا پر شور ہنگامہ،ڈھولک کی تھاپ پر ابھرتے ہوئے قہقہے اور لاؤنج سے آتی میوزک کی دھیمی دھن فضا میں ایک مصنوعی جشن کا رنگ بھر رہی تھی، مگر اس گھر کے اونچے ستونوں کے سائے تلے بستی خاموشی اب بھی اتنی ہی مہیب تھی۔

اس پورے شور اور ہنگامے سے دور،اوپری منزل کے ایک کونے میں بنے کمرے کا ماحول قدرے پر سکون تھا۔زرناب کمال اس وقت ہلکے کاسنی رنگ کے ریشمی لباس میں ملبوس آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔اس نے ہم رنگ دوپٹے کو دونوں کندھوں پر پھیلا کر رکھا تھا ایسے کہ دونوں سرے آگے کو گر رہے تھے اور اس کی پوری پشت اور بازو دوپٹے سے ڈھکے ہوئے تھے۔ وہ بالوں کو رف سے جوڑے کی صورت باندھ رہی تھی،اس زرناب سے مختلف جو کچھ ہی دن پہلے ہاسٹل کے اس کمرے میں خوفزدہ سی دیوار کے ساتھ لگی بیٹھی تھی البتہ اس واقع کو لے کر اس کے دل و دماغ میں جھکڑ سے چل رہے تھے، مگر اس وقت اس نے اپنے چہرے پر سکون اور طمانیت کا وہ ماسک چڑھا رکھا تھا کہ کسی کو بھی اس کے اندر کے انتشار کی خبر نہ تھی۔کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور اسے پتا ہی نہ چلا کہ کب وہ آیا اور اس کے عقب میں موجود دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔زرناب بال باندھ کر سیدھی ہوئی تو اسے دیکھ کر چونکی اور آئینے میں ہی

ایک ابرو اٹھا کر اسے دیکھا۔

"لگتا ہے لاہور جا کر تمیز بھول آئے ہو۔ناک کرنا ضروری ہوتا ہے کسی کے کمرے میں داخل ہونے سے پہلے۔"وہ مصروف سے انداز میں بولی مگر سبز آنکھوں والے ھود پر اثر نہیں ہوا تھا۔

"زہے نصیب! مجھ ناچیز سے مخاطب ہوا جا رہا ہے،وہ بھی خود پہل کر کے۔"وہ سینے پر ہاتھ لپیٹے اب بھی ویسے ہی کھڑا تھا۔

"شٹ اپ!"وہ سلگ ہی تو گئی تھی۔

"اوکے!"اس نے ہار مانتے ہوئے کندھے اچکائے۔زرناب اب ڈریسنگ ٹیبل کا دراز کھولے اس میں کچھ ڈھونڈ رہی تھی اور وہ وہیں کھڑا اس کی ہر حرکت کو دیکھ رہا تھا۔

"تمہیں شاید کوئی کام تھا؟"وہ بالآخر اکتا کر بولی تھی۔

"نہیں تو۔"شدید شرافت سے سر ہلایا گیا۔

"کچھ بھول تو نہیں رہے؟"ایک بار پھر الجھن اور تعجب کا اظہار۔

"ہرگز نہیں!"

"تو مسئلہ کیا ہے؟"بس اس سے زیادہ وہ بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔بہت دکھالی تمیز،اب اپنی اصل جوت میں آتی وہ ناگواری سے بولی تو ھود ہنس پڑا۔اس کے ہنسنے کی وجہ زرناب کو سمجھ

نہیں آئی تھی۔

"میں تو تمہیں نیچے بلانے آیا تھا، سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

زرناب ٹھٹک کر رکی اور اسے پہلی بار پلٹ کر دیکھنے لگی۔ بھوری آنکھوں سے سبز آنکھیں ٹکرائیں اور ان دونوں نے خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اس خاموشی کا مطلب وہ دونوں سمجھتے تھے۔

"تم شیور ہو؟ میری ہی بات ہو رہی ہے؟" وہ جیسے بے یقین تھی۔

"ہاں یار! تمہارے بھائی کی شادی ہے، ظاہر ہے تمہارا انتظار نہیں کیا جائے گا کیا؟" اس نے یقین دلانے کے لیے دلیل ڈھونڈلی۔ زرناب نظریں پھیرتی ایک بار پھر آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر کچھ ٹٹولنے لگی تھی۔

"زرناب کمال سے زیادہ تو تم کوئی سہمی ہوئی اجنبی لگ رہی ہو آج۔ فکر نہ کرو تمہاری بارات نہیں آنی ابھی۔" اس نے زرناب کے چہرے کو دیکھتے چوٹ کی تھی۔ اپنی طرف سے تو وہ مذاق کر رہا تھا مگر نہیں جانتا تھا کہ وہ کون سا دکھ چھیڑ بیٹھا تھا۔ اس نے ایک نظر اٹھا کر خود کو آئینے میں دیکھا۔ سفید سنہری مائل رنگت پر درمیانی آنکھیں جو نہ زیادہ بڑی تھیں، نہ چھوٹی۔ دراز قد، دبلی پتلی وہ لڑکی تو کہیں سے بھی ڈری سہمی نہیں لگتی تھی۔ اس کی سادگی میں بھی ایک عجیب سی

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

تمکنت اور شانِ بے نیازی جھلکتی تھی۔ خود کو پوری طرح کمپوز کر کے وہ وہاں آئی تھی، پتا چلنا تو دور کسی کو شک ہونا بھی مشکل تھا۔ پھر ھود کیوں جان گیا تھا؟

"کیا ہو گیا مس نکچڑی؟ کب تک جانے کا ارادہ ہے؟" وہ اسے اپنی ہی دنیا میں کھو یا دیکھ کر بولا تو وہ خیالات سے باہر نکلی۔

"زبان قابو میں رکھو ھود! ہمارے درمیان اتنی بے تکلفی کبھی نہیں تھی۔" اس نے گویا ھود کو یاد دلایا تھا۔ عام طور پر بپھر جانے والا ھود آج کافی حد تک پر سکون تھا۔ زرناب کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ پلٹ کر جواب نہیں دے رہا تھا۔ ھود اس کے ماموں کا بیٹا تھا، سب سے بڑے ماموں کا بڑا بیٹا۔ اس کے علاوہ بھی زرناب کی اپنے کزنز سے کچھ خاص نہیں لگتی تھی، وجہ اس کا منہ پھٹ اور بد تمیز ہونا اور ان سب کا اسے برداشت نہ کرنا تھا۔ وہ آج سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ ھود اس کے کمرے تک کیسے پہنچا؟ اور اب یہاں تک آ کر اس طرح بات کر رہا تھا جیسے وہ دونوں بچپن کے ساتھی ہوں، اور اوپر سے اسے الٹے جواب بھی نہیں دے رہا تھا، دوسرے الفاظ میں اسے برداشت کر رہا تھا اور یہ یقیناً معجزے جیسا تھا۔ زرناب نے اپنی انگوٹھی انگلی میں سیدھی کی اور ایک بے نیاز نگاہ اس پر ڈالتی باہر کی طرف بڑھ گئی۔ وہ بھی اس کے پیچھے ہی باہر نکلا تھا۔ کچھ دیر بعد جیسے ہی انہوں نے لان میں قدم رکھا، برقی قمقموں کی سنہری روشنیوں کا سیلاب ان

دونوں پر پھیلتا چلا گیا۔ سنہری روشنی دیکھ زرناب کو کسی ساحر کی سحر طاری کرتی آنکھیں یاد آئی تھیں۔ کزنز کا پرشور ہنگامہ، ہنسی مذاق اور ڈھولک کی تھاپ عروج پر تھی۔ لان میں سب موجود تھے۔ اس کے اپنے گھر والوں کے ساتھ، ماموں اور دو خالائیں بھی۔ وہ جب سے آئی تھی کمال سے اس کی کوئی بات نہیں ہوئی تھی، یا تو وہ سامنے ہی نہیں آتی اور جب آجاتی تو وہ اسے نظر انداز کر دیتے۔ اگر وہ نہ کرتے تو زرناب کر دیتی۔ وہ اس کے سامنے ہی کھڑے ہو کر مبشر سے شادی کے معاملات پر ایک دو باتیں کر لیتے مگر زرناب؟ وہ تو جیسے کہیں تھی ہی نہیں۔ بس اسی طرح یہ دو، تین دن گزر گئے اور آج مبشر کی شادی باقاعدہ طور پر شروع ہو گئی تھی۔ باپ بیٹی کی یہ انا کی جنگ زیدی ہاؤس کی چمکتی روشنیوں کے پیچھے ایک مستقل بوجھ تھی، مگر کیا کیا جا سکتا تھا؟ یہ ایک ایسا بوجھ تھا، جو مٹی کی تہوں کی طرح سخت ہو چکا تھا، جہاں نہ کوئی شکوہ سر اٹھاتا تھا، نہ معذرت۔

اس نے ایک نظر گھما کر پورے لان میں ڈالی، ھودا سے لان کے داخلی دروازے میں چھوڑ کر اپنے دوستوں کی طرف چلا گیا تھا۔ زرناب بھی مبشر کی طرف بڑھ گئی جو لان میں موجود واحد صوفے پر بیٹھا تھا اور باقی سب کزنز وغیرہ اس کے سامنے مختلف قالین اور کشنز بچھائے لاپروائی سے بیٹھے تھے۔ اس کے دونوں ماموں اور خالائیں بھی وہیں آس پاس تھیں مگر اس نے زیادہ دھیان نہیں دیا۔ وہ قدم قدم چلتی صوفے تک آئی اور مبشر کے برابر میں بیٹھ گئی، گھاس پر بیٹھے

نوجوانوں میں سے کچھ چیخ چیخ کر گانے گانے میں مصروف تھے، کچھ ویڈیوز بنا رہے تھے اور کچھ ڈانس پریکٹس۔

"یہ لوگ خوش ہو رہے ہیں یا مدد مانگ رہے ہیں؟ کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔" وہ بیٹھتے ہوئے بولی تو مبشر سر جھکا کر ہلکا سا ہنسا۔

"دونوں۔ خوشی اتنی زیادہ ہے کہ اب اسے ہینڈل کرنے کے لیے مدد کی ضرورت بھی پڑ رہی ہے۔"

زرناب جواباً سر ہلا کر رہ گئی۔

"ارے زرناب! تم وہاں کیوں بیٹھ گئی ہو؟ یہاں آؤ نا ہمارے ساتھ بیٹھو۔" یکدم اس کو دیکھ کر گھاس پر آلتی پالتی مارے بیٹھی ثمرہ بولی تھی۔ اس کے مخاطب کرنے پر سب خاموش ہو کر زرناب کو دیکھنے لگے، گویا اس کے جواب کے منتظر ہوں۔ صورتحال یکدم ہی عجیب ہو گئی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں یہاں۔ کم از کم مجھے شرمندہ ہونے کا موقع کم ملے گا۔" وہ معذرتی انداز میں زبردستی مسکرائی تھی۔ اس کے جواب میں سب کا ایک چھت پھاڑ قہقہہ بلند ہوا تھا۔ ثمرہ شرمندہ سی ہوتی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"میں آج رات ایسا گانا گاؤں گا جو سب کے دل جیت لے گا۔" اسی وقت ساحل کی آواز نے

سب کی توجہ اپنی جانب مبذول کی تھی۔

"دل جیت لے گا یا سماعتیں چھین لے گا، یہ ابھی تک واضح نہیں ہے۔" بولنے والے کی دیر تھی کہ سب ایک بار پھر ہنسنے لگے۔ زرناب نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا، وہ کون تھا؟ وہ نہیں جانتی تھی، زرناب نے پہلی بار اسے اپنے گھر میں یا باقی سب کے ساتھ دیکھا تھا۔ اسی وقت ساحل نے گانا شروع کر دیا تھا، یا کوشش شروع کر دی تھی۔ پہلے تو سب نے بس تالیاں بجائیں، پھر ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر آہستہ آہستہ خاموشی نے سب کو گھیر لیا۔ اب وہاں محض ایک ہی آواز تھی اور وہ تھی ساحل کے گانے کی (یا یہ کہنا بہتر ہو گا کہ چیخنے کی۔) اس کا گانا کسی ڈراؤنی فلم کے بیک گراؤنڈ میوزک سے کم تو نہیں تھا۔

"یہ گانا نہیں، سماجی تجربہ لگ رہا ہے۔۔۔ دیکھ رہے ہیں لوگ کتنا برداشت کر سکتے ہیں۔" محفل میں کہیں سے تبصرہ ابھرا تھا۔

"میں ریکارڈ کر رہا ہوں، تاکہ ثبوت موجود رہیں۔" ایک اور شوشہ۔ کچھ دیر اپنے گانے سے سب کا سر کھانے کے بعد وہ بالآخر چپ ہوا تو سب نے سکھ کا سانس لیا۔ سب نے تالیاں بجائی تھیں مگر وہ تالیاں جو ختم ہو جانے کی خوشی میں بجائی جاتی ہیں۔ کچھ نے تو باقاعدہ ہاتھ اٹھا کر شکر بھی ادا کیا تھا۔

"اگلا گانا میں اپنے کزنز کے نام کرتا ہوں۔" ساحل انتہائی فراخ دلی سے بولتا سب کو ایک بار پھر پریشان کر گیا تھا۔

"نہیں نہیں! ہمیں بچالو۔" امر بے چارگی سے کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔ ساحل نے خفگی سے اسے دیکھا تھا۔

"تم لوگوں کو میرے گانے سے اتنا مسئلہ کیوں ہے؟"

"آواز تو ٹھیک ہے بس گانا کوئی اور ہوتا تو۔۔۔" زویا کہنے کے بعد پچھتائی تھی کیونکہ اب ساحل کی شعلہ بار نگاہوں کا رخ اس کی طرف ہو چکا تھا۔

"ہم یہاں ایموشنل سپورٹ کے لیے بیٹھے ہیں یا ٹارچر کے لیے؟"

"میں تو صرف یہ دیکھ رہا ہوں کہ میں نے زندگی میں کیا گناہ کیا تھا جو یہاں آنا پڑا؟" مختلف لوگ، مختلف آوازیں، مختلف تبصرے۔ ساحل رونی صورت لیے بیٹھا سب سنتا رہا۔ ایک تو کسی اور میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ گانا گالیتا، اس میں تھی اور اب سب اس کا مذاق اڑا رہے تھے۔

"زبردست! اب اگلا گانا اگلی شادی میں سن لیں گے۔" وہ نیا لڑکا سادگی سے بولا تو سب نے سر ہلا کر تائید کی۔

"یہ جو لڑکا گانا گا رہا تھا نا، میری بیٹی کے دیور سے تھوڑا ملتا جلتا ہے۔" دور کہیں سے کسی آنٹی کی

آواز آئی تھی، لیکن وہ وہاں بیٹھی مخلوق تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔

"ہاں ہاں مگر اس کی آواز؟ اللہ معاف کرے میرے فریج کی آواز بھی اس سے سریلی ہے۔"

ایک آنٹی تو باقاعدہ کانوں کو ہاتھ لگاتی بولی تھیں۔ ساحل یہ سن لیتا تو یقیناً خودکشی کر لیتا۔

"کم از کم فریج ٹائم پر بند تو ہو جاتا ہے۔" ان کی بات پر وہاں دبی دبی سی ہنسی گونجی تھی۔ محلے کی آنٹیوں کے تبصروں کو وہیں چھوڑ کر واپس آؤ تو سب اب بھی اسی ہلے گلے میں مصروف تھے۔

گانے کا سیزن اب شروع ہوا تو انہیں باقی سب کو بھی برداشت کرنا پڑا تھا۔ ایک کے بعد ایک اپنے جوہر دکھا کر باقیوں کو رلانے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا۔ کوئی بندہ ایموشنل ہو نہ ہو سب کے کان ضرور ایموشنل ہو گئے تھے۔

"مجھے لگتا ہے ہمیں گٹار سہی بندے کے ہاتھ میں پکڑا دینا چاہیے۔" سب گا گا کر تھک گئے تو بالآخر امر بولا۔ زرناب سمیت سب نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ کچھ ہی پل بعد فضا میں ہلکے سر کی آواز شامل ہوئی تھی، کسی نے کوئی گانا نہیں گایا، مائک نیچے لاوارث سا گھاس پر پڑا تھا۔ جس کو گانے کی منتیں کی جا رہی تھیں وہ گٹار ہاتھ میں پکڑے اسے بجا رہا تھا۔ جیسے ہی اس نے گٹار کے تاروں کو چھیڑا، ان سے نکلنے والی ایک بوجھل، پرسکون اور دھیمی سی دھن ہوا کے دوش پر بکھرنے لگی۔ لان کا وہ پرشور ہنگامہ ایک سیکنڈ میں منجمد ہو کر رہ گیا۔ اس نے کچھ گایا نہیں،

ایک لفظ بھی زبان سے نہیں نکالا، مگر اس گٹار کی تاروں سے نکلنے والا صوتی سحر اتنا لافانی اور گہرا تھا کہ وہاں موجود سب لوگ سچ مچ میں مبہوت رہ گئے۔ سب کزنز بالکل ساکت بیٹھے تھے۔ ایک فسوں سا تھا جو ہر طرف بکھر گیا تھا۔ ہادی کی آواز کے بعد یہ دوسری آواز تھی جو اسے مسحور کن لگی تھی۔ زرناب نے پہلی بار غور سے اسے دیکھا۔ سر جھکائے وہ پوری توجہ سے گٹار کے تار چھیڑ رہا تھا۔ سر جھکانے کی وجہ سے اس کے سیاہ بال، جو قدرے لمبے تھے، اس کے ماتے پر آگے کو گر رہے تھے۔ لمبی لمبی انگلیاں مہارت سے چل رہی تھیں اور زرناب نے دیکھا وہ مسکرا رہا تھا، وہ مسکراہٹ جو کسی کو سوچ کر آتی ہے۔ تھوڑی دیر بعد اس کے تاروں کو چھیڑتے ہاتھ تھمے تو ماحول پر چھایا فسوں ٹوٹا۔ ھود بڑے فخر سے فون پکڑے اس کی ویڈیو بنا رہا تھا، تو معلوم ہوا کہ وہ ھود کا دوست تھا۔ گٹار ایک طرف کو رکھتا وہ کیمرے میں دیکھ کر مسکرایا۔ وہ مسکراتا تھا تو اس کی گول گول آنکھیں چمک اٹھتی تھیں۔

"یہ بندہ گانا گانے نہیں۔۔۔ اپنے آپ کو ریکارڈ کروانے آیا تھا کہ میں بھی موجود تھا۔" زرناب نے اس کی حرکت پر چوٹ کی جو مبشر کے علاوہ کسی نے نہیں سنی تھی۔

"نہیں! یہ مستقبل میں ثبوت دے گا کہ میں نے بھی سفر کیا تھا۔" وہ دونوں دھیرے سے ہنس پڑے تھے۔ اب ان دونوں کے درمیان تبصروں کا ایسا دور شروع ہوا چاہتا تھا، جس کے بنا کوئی

بھی شادی یا فیملی فنکشن ادھورا ہوتا ہے۔

"ویسے یہ ہے کون؟" زرناب اس بار زرا متجسس ہوئی تھی۔

"یہ حیدر ہے، ھود کا کوئی دوست۔" مبشر نے عام سے انداز میں مختصر جواب دیا۔

"زرا امل کو دیکھو، کیسے دیکھ رہی ہے اسے؟" اس کے کہنے پر زرناب نے نظریں امل پر ٹکائیں جو گال ہتھیلی پر ٹکائے اسے دیکھ رہی تھی۔

"دائم ایسے کیوں لیٹا ہے جیسے اسے زبردستی بے ہوشی کا انجکشن لگا دیا گیا ہو؟" اگلا کمنٹ دائم پر ہوا تھا، وہ بھی زرناب کی طرف سے، جو گھاس پر پیٹ کے بل الٹا پڑا تھا۔

"ثمرہ اور زویا کو دیکھو۔ جس طرح وہ دونوں سر جوڑے بیٹھی ہیں، مجھے پورا یقین ہے ممانی کے غرارے کا پوسٹ ماٹم کر رہی ہوں گی۔۔" سر جوڑے تو وہ دونوں بھی بیٹھے تھے، مگر کسی کے غرارے کا پوسٹ مارٹم کرنے نہیں بلکہ وہاں موجود ہر کسی کے انداز کو کسی نئے بجٹ کی طرح جانچنے کے لیے۔ زرناب اس لڑکی سے بہت مختلف لگ رہی تھی جو کچھ دن پہلے ہاسٹل کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ آج وہ بے فکر تھی، بے پرواہ تھی۔ وہ خوش تھی، پرسکون تھی، ویسے جیسے گھر میں ہوا جاتا ہے، اپنے گھر میں۔

☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆

میوزیکل نائٹ کا وہ سارا ہنگامہ اور کزنز کے قہقہے اب تھم چکے تھے۔ زرناب کمال اس لان کی رونق سے نکل کر ایک بار پھر اپنے کمرے کی خاموشی میں آچکی تھی۔ کمرے کی لائٹس بند کر کے وہ اپنے کمرے کی کھڑکی کے پاس آکر کھڑی ہو گئی تھی۔ کاسنی رنگ کے لباس میں ملبوس کھڑکی سے چھن کر آتی چاندنی میں کھڑی وہ کسی پرانے، قدیم محل کی شاہی کھڑکی کا حصہ معلوم ہوتی تھی۔ تھکاوٹ اور ذہنی بوجھ سے رنگت تھوڑی زردی مائل ہو گئی تھی۔ وہ سینے پر ہاتھ لپیٹتی کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی۔ دماغ میں گزشتہ دو دنوں کے سب منظر گھومنے لگے تھے۔ کمال کا سرد رویہ اسے مزید تھکا رہا تھا۔ وہ کرتی تو کیا کرتی؟ معافی مانگ لیتی، مگر کس چیز کی؟ اسے نہیں لگتا تھا کہ معافی مانگنے کی ضرورت تھی، وہ نہیں جانتی تھی کہ ماں باپ سے انا کی جنگیں نہیں لڑی جاتیں۔ وہ خاموشی سے ایسے ہی کافی دیر کھڑی رہی۔ داخلی دروازے سے کوئی باہر نکلا تھا۔ زرناب کی نظر اس پر پڑی تو وہ فوراً اسے پہچان گئی۔ وہ وہی لڑکا تھا، حیدر! زرناب اسے دیکھے گئی۔ عام، رف سے حلیے میں وہ لڑکا لمبا سا تھا، اس وقت سر جھکائے، لاپروائی سے سڑک پر چل رہا تھا۔ شاید اپنے گھر جا رہا تھا۔ باقی سب تو ٹھیک تھا مگر زرناب نے جو بات اس کے بارے میں محسوس کی تھی کہ کچھ ہی دنوں میں وہ سب کا لاڈلہ ہو چکا تھا۔ سب کا مطلب سب کا۔ عبدالکمال زیدی بھی اس سے بچ نہیں پائے تھے۔ آج بھی اس نے محسوس کیا تھا کہ کمال اس سے باقی سب جیسا

سلوک نہیں کر رہے تھے، وہ اسے کچھ خاص اہمیت دے رہے تھے۔ نجانے اس کے پیچھے کیا وجہ تھی؟ مگر زرناب کو برا لگا تھا۔ اگر اس وقت کوئی اسے کہتا کہ وہ حسد محسوس کر رہی تھی تو وہ بلا تردد حامی بھر لیتی۔ وہ آہستہ قدموں سے چلتا اب اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اس کھڑکی کے شیشے کے پیچھے کھڑے اس نے پہلی بار کسی اجنبی کے بارے میں اتنا سوچا تھا۔ وہ جلتی نہ تو کیا کرتی؟ اس شخص نے چند ہی گھنٹوں میں یہاں موجود ہر چھوٹے بڑے کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ چند ہی گھنٹوں میں وہ پورے خاندان کو اپنے چارم اور زندہ دلی کی قید میں لا چکا تھا۔ اگر ایسا تھا تو وہ اس خاندان کا حصہ نہیں تھی، اگر ایسا تھا تو وہ ان لوگوں کا حصہ نہیں تھی۔ وہ سر جھٹکتی کھڑکی سے ہٹی تو اسے اپنا فون یاد آیا۔ اس نے دھیرے سے موبائل اٹھایا اور سب سے پہلا کام جو اس نے کیا وہ ہادی کے اکاؤنٹ میں جانے کا تھا۔ وہ لاشعوری طور پر دن میں تیسری مرتبہ اس کا اکاؤنٹ دیکھ رہی تھی۔ وہ لڑکی جو اپنی ذات کے حصار میں اس قدر مضبوطی سے قید تھی کہ کائنات کی کسی چیز کو خود پر حاوی نہیں ہونے دیتی تھی، پچھلے چوبیس گھنٹوں میں ہادی کے اکاؤنٹ کی ایک ایک ویڈیو دیکھ چکی تھی۔ وہ خود بھی سخت الجھن اور بے چینی کا شکار تھی، نجانے کیا چیز تھی جو وہ اس اکاؤنٹ میں ڈھونڈ رہی تھی؟ شاید ہادی یونس ایک بہت اچھا، مخلص اور سچا انسان ہے اسی لیے وہ بھی دوسری لڑکیوں کی طرح اسے آئیڈیلائز کرنے لگی ہے اور بس! لیکن

وہ تو زرناب تھی، وہ دوسری لڑکیوں کی طرح نہیں تھی۔ یہی تو مسئلہ تھا جو حل نہیں ہو رہا تھا، یہی تو الجھن تھی جو سلجھ نہیں رہی تھی۔ وہ اسی سوچ کے ساتھ فون بند کر چکی تھی۔ تھکن ایک بار پھر اعصاب پر بھاری پڑنے لگی اور یہ تبھی تھا جب اسے اپنے کمرے کے دروازے پر دستک سنائی دی تھی۔ رات کے اس پہر اپنے کمرے کے دروازے پر دستک کی آواز سن کر وہ چونکی تھی پھر ایک بوجھل، تکان بھری سانس خارج کرتی اٹھی اور دروازے کی طرف بڑھی۔ اس نے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا مگر راہداری خالی پڑی تھی، وہاں پہ کسی کے گزرنے کے آثار بھی نہیں دکھتے تھے۔ زرناب نے گردن باہر نکال کی ادھر اُدھر دیکھا مگر اسے کوئی نہیں دیکھا، وہ واپس اندر کی طرف پلٹتی اس سے پہلے ہی اس کی نظر فرش پر پڑی اور وہ ٹھٹکی۔ کمرے کی دہلیز پر ایک چھوٹی سی سیاہ مخمل کی ڈبیہ پڑی تھی۔ اس نے حیرت سے نیچے جھک کر اسے اٹھایا، الٹ پلٹ کر دیکھا اور دوازہ بند کرتی اندر لے آئی۔ اگر یہ پروپوز کرنے کا کوئی نیا طریقہ تھا تو بہت واہیات تھا اور اگر کوئی مذاق تھا تو اس سے بھی گھٹیا۔ اس نے دروازہ بند کرنے کے بعد ڈبیہ کا ڈھکن ہٹایا اور اس کی بھنویں تن گئیں۔ اندر ریشم کے چھوٹے سے ٹکرے پر ایک پرانی، زنگ آلود گھڑی رکھی تھی۔ گھڑی کام کی نہیں تھی، کب کی بند ہو چکی تھی اور اس کے شیشے پر خراشیں بھی پڑی تھیں اور ڈائل پر جمی زنگ کی تہیں اسے مزید ہولناک بنا رہی تھیں۔ زرناب ایک لمحے کو بالکل الجھ

گئی۔اس کا دماغ اس گھڑی کا تعلق گھر میں موجود شادی سے جوڑنے لگا، مگر پھر اس نے ایک بیزار کن سانس لی۔وہ کیسے بھول گئی تھی کہ اس وقت اس گھر میں کزنز کا ایک پورا ہجوم موجود تھا؟جو کسی بھی حد تک جا سکتے تھے،اسی لیے اس نے اسے کسی کزن کی کوئی فضول سی شرارت سمجھ کر سر جھٹکا اور ڈبیہ کو دراز میں ڈالتی، بالوں کو جوڑے سے آزاد کر کے وہ واشروم کی طرف بڑھ گئی۔کمرے کی فضا اس ڈبیہ کے آنے کی وجہ سے مزید بوجھل اور بھاری ہو گئی تھی۔

☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆

ستمبر کے آخری دن تھے اور سردی کی آمد آمد تھی۔فضا سے حبس تقریباً ختم ہو چکی تھی اور تازگی سی ہر طرف پھیل گئی تھی۔سفید محل کے باسی آج کا دن معمول کے برعکس گزار رہے تھے۔ اتوار کا دن تھا اور یحییٰ آج گھر پر ہی موجود تھا، مگر وہ لاؤنج میں اپنے والدین کے ساتھ بیٹھنے کے بجائے اپنی پر تعیش کتابوں سے بھری سٹڈی میں موجود تھا۔رف سے حلیے میں بال ماتھے پر گرائے وہ کوئی اور ہی انسان لگ رہا تھا۔دفعتاً کسی کی ہیل کی ٹک ٹک سنائی دی تو اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔تازہ، خوشگوار چہرہ، سادی اور خوبصورت مسکراہٹ لیے وہ کندھے تک آتے سیاہ بالوں میں ہاتھ پھیرتی،اس کے سامنے والی کرسی کھینچ کر بیٹھی۔سیاہ قمیض شلوار میں اس کا رنگ دمک رہا تھا۔

"سنایئے!" وہ مسکراتے ہوئے گویا ہوئی۔اس کی مسکراہٹ میں اعتماد تھا،اطمینان تھا۔

"تم بتاؤ۔کچھ ملا پھر؟ کوئی قابلِ غور چیز ہاتھ لگی ہو؟" یحییٰ معمول کے خلاف لمبی بات بول گیا تھا،وہ بھی حد درجہ سنجیدگی سے۔اشمل نے بس مایوس کن انداز میں سر نفی میں ہلایا۔

"میں اس کے بعد پھر نہیں مل پائی اس سے۔وہ شاید مصروف ہے،اس کے گھر میں شادی ہے کسی کی۔" اشمل کے تفصیل دینے پر اس نے پر سوچ انداز میں سر کو ہلکا سا خم دیا۔

"تمہیں انوائٹ نہیں کیا؟" یحییٰ کچھ سوچ کر بولا تھا،اشمل کو اس کا انداز عجیب لگا۔اس کے لبوں پر ایک عجیب تیکھی سی مسکراہٹ تھی،وہ یقیناً ایک گہرا طنز تھا۔اشمل جانتی تھی کہ باقی کی ملاقات میں بھی وہ یہی کرنے والا تھا۔وہ تھا ہی ایسا،یا شاید اس کے لیے ایسا تھا۔اشمل کے آفس میں پہلے دن پر وہ بدلا بدلا سا تھا،اس کا انداز الگ تھا۔شاید وہ اسے اعتماد میں لینے کے لیے اچھا بن رہا تھا اور اب وہ دیکھ سکتی تھی کہ کس طرح اس شخص نے اپنا روپ بدل لیا تھا۔

"میرے چچا کی اولاد تو نہیں ہے وہ جو مجھے انوائٹ کرتی۔" اشمل شرمندگی چھپانے کو مضبوط لہجے میں بولی۔اس کو اب بچھتاوا ہو رہا تھا اسے ہر راز دینے پر،اسے سب کچھ بتانے پر۔سب کچھ؟ مطلب ماضی۔وہ ماضی جو اشمل کے علاوہ صرف وہ جانتا تھا،صرف وہ۔

"سنا ہے محترمہ ایک وقت میں تمہاری بیسٹ فرینڈ تھیں۔" یحییٰ نے کرسی سے ٹیک لگائی اور

طنزیہ مسکراہٹ اس کی طرف اچھالی۔وہ اب جان بوجھ کر اسے شرمندہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"وہ وقت کب کا گزر گیا۔کیا اب ہم اسے بھول نہیں سکتے؟"اس بار اس نے شرمندگی چھپانے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔

"پلان ڈیلے کرنا پڑے گا۔"اشمل فوراً بات بدلنے کی کوشش کرنے لگی۔یحییٰ اب بھی انہیں گہری، طنز بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"ہمیں اب کچھ دن انتظار کرنا ہے جب تک وہ یونیورسٹی نہیں آجاتی۔"اس کے مزید تفصیل دینے پر یحییٰ محض اثبات میں سر ہلا گیا۔

"جیسے ہی وہ یونیورسٹی آئے، تم نے اس کے ساتھ تعلقات بحال کرنے ہیں۔"یحییٰ کے سنجیدہ انداز میں کہنے پر اس نے پہلو بدلا۔

"جانتی ہوں، مگر۔۔۔۔کیا یہ بہت۔۔۔ضروری ہے؟"وہ مطمئن نہیں لگتی تھی کیونکہ وہ یہ سب شروع ہی نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"دیکھو اشمل! تمہیں اس پلان میں میرا ساتھ دینا ہی ہوگا، ورنہ میں ناکام ہو جاؤں گا اور یقیناً تم یہ نہیں چاہتی ہو گی کہ میں ناکام ہوں۔"وہ اپنی کرسی سے اٹھ کر قدم قدم چلتا اشمل کے پیچھے جا

کھڑا ہوا۔اپنے ہاتھ کرسی کے ہتھوں پر جمائے اور زرا سا جھک کر اس کے کان کے قریب ہوا۔

"تم دو گی نا؟" اس کی سرگوشی میں کاٹ تھی، لہجے میں کاٹ تھی۔اشمل کے جسم میں ایک سرد لہر دوڑ گئی تھی۔ نجانے وہ کبھی کبھی اتنا جنونی کیوں ہو جایا کرتا تھا؟ اشمل کو بے اختیار اس شخص سے، اس کے سائے سے بھی خوف محسوس ہوا۔وہ چار و ناچار اثبات میں سر ہلا گئی تھی۔یحییٰ کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ رینگ گئی۔

"گڈ!" وہ سیدھا ہوتا واپس اپنی کرسی کی طرف بڑھا۔

"اور بتاؤ؟ چائے لو گی یا کافی؟" دیر سے ہی سہی مگر اسے خیال آ ہی گیا تھا کہ وہ مہمان تھی، مگر اب اشمل کا دل ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا تھا۔وہ اس سے کچھ اور بات نہیں کر رہا تھا اور یہی چیز اسے بری لگ رہی تھی۔وہ لوگ اتنے سالوں سے ساتھ تھے مگر اشمل کو اب تک اس شخص کی سمجھ نہیں آئی تھی۔اس کو حد درجہ الجھن ہوتی تھی جب وہ زرناب میں اس قدر دلچسپی لیتا تھا۔اس سب کے پیچھے اس کا کیا مقصد تھا وہ نہیں جانتی تھی، مگر پھر بھی وہ اس کا کہا گیا ہر کام کرتی تھی وہ بھی آنکھیں بند کر کے۔بے وقوف لڑکی! نہیں جانتی تھی کہ کس دلدل میں جانتے بوجھتے خود کو پھنسا رہی تھی۔وہ دوسروں کے چھپے ہوئے طوفانوں کا حساب رکھنے چلی تھی، مگر یہ نہیں جانتی

تھی کہ ان رازوں کی تپش اس کے اپنے وجود کو خاک کرنے کے لیے کافی تھی۔

☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆-☆

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

مزید بہترین ناول/افسانے/آرٹیکل/مختصر کہانیاں اور معیاری شاعری پڑھنے کے لئے

نیچے دیئے گئے لنک پر کلک کریں۔

شکریہ!

www.novelsclubb.com

ہماری ایپ ڈاؤنلوڈ کریں اور رسائی حاصل کریں بے شمار مزے دار ناولوں تک

Download our app

بہترین کوالٹی کی کتب شائع کروانے کے لئے اس نمبر پر رابطہ کریں۔

03257121842

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک، انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842